ارمغانِ مشرق

علامہ اقبال کی فارسی رباعیات کا منظوم ترجمہ

عبدالعلیم صدیقی

ارمغانِ مشرق

علامہ اقبال کی فارسی رباعیات کا منظوم ترجمہ

عبد العلیم صدیقی

اقبال اکادمی پاکستان

جملہ حقوق محفوظ ہیں

ناشر: ڈاکٹر وحید قریشی
ناظم
اقبال اکادمی پاکستان
چھٹی منزل، ایوان اقبال، لاہور

طبع اول : ۱۹۹۵ء

تعداد : ۵۰۰

قیمت : ۸۰ روپے

مطبع : سعادت آرٹ پریس، لاہور

محل فروخت :۔ ۱۱۶ میکلوڈ روڈ، لاہور فون : ۷۳۵۷۲۱۴

فہرست

تعارف	۱
مقدمہ	۷
پیام مشرق	۱۱ ـ ۴۵
ارمغان حجاز	۴۷ ـ ۱۳۹
حضور حق	۵۰
حضور رسالت	۶۰
حضور ملت	۸۶
خودی	۸۹
انا الحق	۸۹
صوفی و ملا	۹۰
رومی	۹۲
پیام فاروق	۹۵
شعرائے عرب	۹۷
اے فرزند صحرا	۹۹
تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد	۱۰۰
خلافت و ملوکیت	۱۰۲
ترک عثمانی	۱۰۳
دختران ملت	۱۰۴
عصر حاضر	۱۰۶

برہمن	۱۰۷
تعلیم	۱۰۸
تلاش رزق	۱۱۱
نہنگ بابچہ خویش	۱۱۲
خاتمہ	۱۱۲
حضور عالم انسانی (تمہید)	۱۱۴
دل	۱۲۰
خودی	۱۲۲
جبر و اختیار	۱۲۴
موت	۱۲۴
بگوابلیس را	۱۲۵
ابلیس خاکی و ابلیس ناری	۱۲۶
بہ یاران طریق	۱۳۰

تعارف

"ارمغان مشرق" علامہ اقبال کی فارسی رباعیات کے منظوم تراجم پر مشتمل ہے۔ فارسی زبان کا چلن اب ہمارے ملک میں نہیں رہا۔ علامہ اقبال کے فارسی کلام کا اردو میں منظوم ترجمہ ہماری قومی ضرورت ہے۔ جہاں تک میرے علم میں ہے ابھی تک صرف "اسرار خودی" کا ترجمہ جسے جسٹس ایس۔ اے رحمان نے کیا ہے "ترجمان اسرار" کے نام سے شائع ہوا ہے۔

"ارمغان مشرق" پروفیسر عبدالعلیم صدیقی کی قادر الکلامی کا بین ثبوت ہے۔ بلا شبہ یہ اقبالیات میں ایک قابل قدر اضافہ ہے۔ کلام اقبال کے تراجم کے سلسلہ میں رباعیات کا انتخاب ان کی خوش مذاقی اور دیدہ وری کی دلیل ہے۔ منظوم تراجم کے لئے رباعیات ہی زیادہ مناسب تھیں۔ مجھے امید ہے کہ ان کی یہ کوشش ارباب ذوق کے حلقوں میں مستحسن قرار پائے گی۔

علیم صاحب کی رائے سے اختلاف کرتے ہوئے یہاں میں ان کا مختصر تعارف کرانا مناسب سمجھتا ہوں۔ خاندانی رشتوں کی وجہ سے میں انہیں بچپن سے جانتا ہوں۔

صوبہ یو۔ پی (بھارت) کے مشرقی علاقے (اودھ) میں ایک ضلع سلطان پور ہے۔

ع

"ہم رہنے والے تھے اسی بچھڑے دیار کے"

عبدالعلیم صدیقی اور راقم السطور دونوں ضلع سلطان پور کے ایک دور افتادہ دیہاتی علاقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہمارے گاؤں زیادہ دور نہیں تھے۔ پرائمری جماعتوں کی

تعلیم ختم ہوتے ہی مجھے اپنی والدہ مرحومہ کے ساتھ بھوپال جانے کا اتفاق ہوا جہاں میرے نانا ڈی آئی جی پولیس کے منصب پر فائز تھے۔ میری والدہ تو جلد ہی واپس آ گئیں اور میری اعلیٰ تعلیم کا سلسلہ وہیں شروع ہو گیا۔ ۱۹۳۷ء میں ناگپور بورڈ سے انٹرمیڈیٹ کا امتحان پاس کرنے کے بعد جب الہ آباد یونیورسٹی میں داخل ہونے کے لئے وطن واپس آیا تو عبدالعلیم صدیقی آٹھویں جماعت پاس کر چکے تھے۔

اب جو میں ان کے گھر جا کر دیکھتا ہوں تو علیم صاحب اپنے یہاں ادبی کتابوں اور رسالوں کا ایک کتب خانہ کھولے ہوئے جنگل میں منگل منا رہے تھے۔ میری حیرت اور مسرت کی انتہا نہ رہی جب میں نے دیکھا کہ جو رسائل بھوپال اور ناگپور کی لائبریریوں میں ڈھونڈ ڈھونڈ کر پڑھا کرتا تھا (مثلاً ادبی دنیا' نیرنگ خیال' عالم گیر' ساقی' نگار' ندیم وغیرہ) وہ سب یہاں موجود ہیں۔ اگرچہ میں عمر میں علیم صاحب سے کئی سال بڑا تھا لیکن ادبی رشتہ سے ہماری دوستی پکی ہو گئی۔

پھر انہوں نے ایک نئے کھیل "تعلیمی تاش" سے ہمیں متعارف کرایا۔ تاش کے ہر پتہ پر ایک حرف اور اس کے عدد بحساب ابجد درج ہوتے تھے۔ کھیلنے والے اپنی اپنی باری پر پتے چل کر الفاظ بناتے تھے۔ آخر میں پتوں پر درج شدہ اعداد کو جوڑ کر ہار جیت کا فیصلہ ہوتا تھا۔ اگر کوئی صاحب من گھڑت لفظ بنانے کی کوشش کرتے تو اس لفظ کی سند پوچھی جاتی بعض اوقات ایسا بھی ہوتا کہ علیم صاحب کوئی ہندی نما یا عربی فارسی نما خود ساختہ لفظ بنانے کی کوشش کرتے اور جب معنی اور محل استعمال پوچھا جاتا تو کوئی مصرع یا شعر اپنی طرف سے گھڑ کے سند کے طور پر پیش کر دیتے تھے۔ اگرچہ یہ کوشش عموماً ناکام رہتی لیکن ان باتوں سے ان کی موزونی طبع کا ثبوت تو ملتا ہی تھا۔ ان دنوں مجھے بارہا یہ شبہ گزرا کہ علیم صاحب شعر ضرور کہتے ہیں لیکن مجھ سے چھپاتے ہیں۔ بعد میں اس کی تصدیق ہو ئی۔ جب وہ دسویں جماعت میں پڑھتے تھے اپنے سکول کے ایک مشاعرہ میں غزل پڑھی۔ ان کے استاد بسمل سیتا پوری نے انہیں مشق سخن جاری رکھنے کا مشورہ دیا لیکن انہوں نے شاعری پر کبھی سنجیدگی سے توجہ نہیں دی۔

ان کے ادبی ذوق کی تربیت میں ان کے والدین کا بڑا حصہ ہے۔ گھر میں علمی'

ادبی اور دینی کتابوں کا اچھا ذخیرہ موجود تھا جس نے ان کے شوق مطالعہ میں مہمیز کا کام دیا۔

ان کے والد عبداللطیف صدیقی صاحب سلطان پور شہر میں وکالت کرتے تھے اور ضلع مسلم لیگ کے صدر تھے۔ ۱۹۴۰ء میں قرارداد پاکستان منظور ہونے کے بعد وہ مسلم لیگ کی سرگرمیوں میں اتنے منہمک ہوئے کہ ان کے ساتھی انہیں "فنا فی المسلم لیگ" کہتے تھے۔ وکالت کو تقریباً خیرباد ہی کہہ دیا تھا۔ اسی "جرم" میں ان کی ساری جائیداد جو زرعی زمینوں پر مشتمل تھی قیام پاکستان کے بعد ضبط کر لی گئی تھی۔ علیم صاحب نے تعلیم کے میدان میں میرے نقش قدم پر چلتے ہوئے الہ آباد یونیورسٹی سے بی۔ اے کے بعد ۱۹۴۷ء میں فارسی میں ایم۔ اے کیا۔ اس کے بعد انہوں نے ایل ایل بی میں داخلہ لیا لیکن فائنل کے امتحان میں شریک ہونے سے پہلے ہی انہیں الہ آباد چھوڑنا پڑا۔

علیم صاحب نے الہ آباد یونیورسٹی میں تعلیم کے دوران تقریباً چار سال صحافت میں بھی بھرپور حصہ لیا تھا۔ ۱۹۴۵ء میں وہ روزنامہ "شفق" سے بحیثیت جائنٹ ایڈیٹر منسلک ہو گئے جسے پروفیسر ڈاکٹر زید احمد کے صاحبزادے شمیم احمد نے جاری کیا تھا۔ ۳ جون ۱۹۴۷ء کے قیام پاکستان کے فیصلے کے اعلان کے بعد اس کے ایڈیٹر عبدالباسط صاحب لاہور چلے گئے جہاں کے وہ رہنے والے تھے تو علیم صاحب نے ادارت کے فرائض سنبھال لئے۔ تعلیم کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ دن کو یونیورسٹی میں کلاسوں میں شریک ہوتے تھے اور شام کو اخبار کے دفتر میں آ جاتے تھے۔ طالب علم ہونے کی وجہ سے احتیاطاً" ایڈیٹر کی حیثیت سے اخبار میں ان کی بجائے عملہ کے ایک رکن کا نام چھپتا تھا۔

یہ اخبار تحریک پاکستان کا حامی اور مسلم لیگ کا بے باک ترجمان تھا۔ خصوصاً کشمیر سے متعلق بھارتی حکومت کی پالیسی پر سخت تنقید کی جاتی تھی۔ اس کی اشاعت دس ہزار تک پہنچ گئی تھی جو اس زمانہ کے اعتبار سے بہت تھی۔ تقسیم ہند کے بعد الہ آباد کی ضلعی انتظامیہ کی طرف سے انتقامی کارروائی کے طور پر کئی مرتبہ اخبار کی ضمانتیں ضبط ہوئیں یا ڈیکلریشن منسوخ ہوئے کئی ناموں سے ڈیکلریشن لے رکھے تھے۔

"شفق" بند ہوا تو "نیا اخبار" اس کے بعد "ہمارا اخبار" اور پھر "نوائے ہند" کے نام سے اخبار جاری رہا۔

ان کا پاکستان آنے کا ارادہ نہیں تھا لیکن "من در چہ خیالیم و فلک در چہ خیال۔" حکومت کی پالیسی کے نتیجے میں آزاد صحافت کے لئے حالات کی ناسازگاری نے مجبور کر دیا۔ وہ ۱۹۴۹ء میں کراچی آ گئے جہاں ان کے بھائی محمد امین صدیقی پاکستان ایئر فورس میں تھے۔ کچھ عرصہ کراچی میں گزارا۔ وہاں کی آب و ہوا راس نہ آئی تو میرے پاس لاہور آئے۔ میں ان دنوں اسلامیہ کالج میں لیکچرار تھا۔ لاہور سے آزاد کشمیر جانے کی کہانی انہیں کی زبانی سنئے :

"یہ جنوری ۱۹۵۳ء کی بات ہے۔ گورنمنٹ انٹرمیڈیٹ کالج راولا کوٹ آزاد کشمیر کے پرنسپل شیخ محمود احمد صاحب کی طرف سے روزنامہ پاکستان ٹائمز میں ایک اشتہار شائع ہوا کہ کالج ہذا میں ایک سینئر ٹیچر کی اسامی پر تقرر کے لئے درخواستیں مطلوب ہیں۔

آزاد کشمیر میں میرے لئے بڑی کشش تھی۔ برصغیر میں یہ واحد خطہ ہے جہاں کے عوام نے مسلح جنگ کر کے آزادی حاصل کی تھی۔ جب میں الہ آباد میں "شفق" کا ایڈیٹر تھا تو جنگ آزادی ۴۸-۱۹۴۷ء کے واقعات کو نمایاں طور سے اخبار میں شائع کرتا تھا اور ایک مرتبہ اداریہ میں یہ لکھنے پر اخبار کی ضمانت ضبط کر لی گئی تھی کہ انڈین نیشنل کانگریس نے ملک کی تقسیم کے جس اصول کو تسلیم کیا ہے اُس کی رو سے ریاست جموں و کشمیر کو پاکستان میں شامل ہونا چاہئے اور کسی علاقہ پر وہاں کے عوام کی مرضی کے خلاف طاقت کے ذریعے زیادہ دیر تک قبضہ برقرار نہیں رکھا جا سکتا۔ لہٰذا حق و انصاف اور سیاسی تدبر کا تقاضا ہے کہ کشمیر میں فوجی مہم جوئی سے احتراز کیا جائے۔ ضمانت کی ضبطی کی خبر اس پانچ کالمی سرخی کے ساتھ شائع ہوئی تھی۔

یہ دستور زباں بندی ہے کیسا تیری محفل میں
یہاں تو بات کرنے کو ترستی ہے زباں میری

مجھے آزاد کشمیر کے لوگوں سے ایک دل بستگی تھی۔ پھر یہ خود غرضانہ خیال بھی آیا کہ وہاں میری صحت بھی بحال ہو جائے گی جسے کراچی کی آب و ہوا دیمک کی طرح

چاٹ گئی تھی۔

درخواست بھیجنے کے چوتھے ہی روز شیخ محمود احمد صاحب کا خط آگیا' جس میں انہوں نے ماڈل ٹاؤن لاہور میں اپنے بنگلے پر مجھے انٹرویو کے لئے بلایا تھا۔ میں سمجھتا تھا کہ انٹرویو میں وہ طریق تدریس یا جنرل نالج سے متعلق سوالات کریں گے۔ لیکن خلاف توقع انہوں نے مجھ سے پوچھا۔ "کیا آپ شاعری کرتے ہیں؟" اور پھر میرے جواب کا انتظار کئے بغیر کہنے لگے "بات یہ ہے کہ راولا کوٹ ادبی اعتبار سے ایک ایسا صحرا ہے جہاں دور دور تک ادب کا پودا نظر نہیں آتا۔ پڑھانے کو تو سبھی پڑھا لیتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ طلبہ میں ادبی ذوق پیدا کیا جائے۔"

میں ۷ مارچ ۱۹۵۳ء کو راولاکوٹ کالج میں حاضر ہو گیا۔ وہاں ادب کا پودا تو موجود تھا' ضرورت آبیاری کی تھی۔ ع "ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی۔" طلبہ کی طرف سے بڑا اچھا ریسپانس ملا۔ بزم ادب کے باقاعدہ پابندی وقت کے ساتھ مہینے میں ایک یا دو بار اجلاس ہونے لگے۔ چند ہی ماہ بعد کالج کے یوم تاسیس کے موقع پر بزم ادب کے زیر اہتمام ایک ادبی محفل آراستہ کی گئی۔ جس میں معززین علاقہ بھی مدعو تھے۔ طلبہ نے نہایت اعتماد کے ساتھ دل آویز انداز میں نظم و نثر کی اپنی تخلیقات پڑھیں جنہیں بہت سراہا گیا۔ سردار محمد شریف خاں ایم۔ اے علیگ نے کہا کہ مجھے تو ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ میں راولاکوٹ میں نہیں لکھنؤ میں بیٹھا ہوں۔ میں نے اسی محفل میں وادی راولا کوٹ پر ایک نظم پڑھی جس کا ایک شعر یاد رہ گیا ہے۔

وادی گومتی و گنگ و جمن بھول گئے
راولا کوٹ جو پہنچے تو وطن بھول گئے"

علیم صاحب کو آزاد کشمیر میں بڑی پذیرائی حاصل ہوئی۔ انہیں ترقی کے مواقع بھی ملتے رہے۔ آزاد کشمیر میں تعلیمی توسیع و ترقی کی رفتار پاکستان سے تیز تر ہے۔ راولاکوٹ ہی میں رہتے ہوئے انہوں نے پرائیویٹ امیدوار کی حیثیت سے ۱۹۵۶ء میں پنجاب یونیورسٹی سے اردو میں ایم۔ اے کیا۔ اسی سال وہ لکچرار کے منصب پر فائز ہوئے۔ لکچرر شپ کا زیادہ عرصہ گورنمنٹ کالج میرپور میں گزرا۔ جس کالج میں بھی رہے شیخ محمود احمد کی بات انہیں یاد رہی اور طلبہ میں لکھنے پڑھنے کا شوق بیدار کرنے

میں کوشاں رہے۔ وہ ۱۹۶۷ء میں انٹرمیڈیٹ کالج باغ اور ۱۹۷۳ء میں ڈگری کالج راولاکوٹ کے پرنسپل مقرر ہوئے۔ پرنسپل کی حیثیت سے آخری بارہ سال پلندری میں رہے اور وہیں ۱۹۸۵ء میں ریٹائر ہوئے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد۔ ع "خاموش نہ بیٹھے گا زنہار جنوں میرا' کے مصداق علامہ اقبال کے فارسی کلام کا منظوم ترجمہ کرنے میں مصروف ہو گئے۔ اب انہوں نے پلندری میں مستقل رہائش اختیار کر لی ہے انہوں نے اپنی ایک غزل کے مقطع میں کہا ہے۔

آپ اپنے کو کہلاتا ہے دانشور صدیقی
ڈھلوان پر ایک پہاڑی کے اپنا مکان بنایا

اسی غزل کا مطلع ہے :

سفر کسی نے جاری رکھّا کسی نے ڈھونڈا سایا
وقت بتائے گا اب کس نے کیا کھویا کیا پایا

خدا کرے اب وہ جس نئے سفر پر نکلے ہیں اسے جاری رکھیں اور سایہ نہ ڈھونڈیں۔ اگرچہ انہیں کے الفاظ میں :

پہلے بھی کٹھن مرحلے آئے تو تھے لیکن
اب سامنے ہے راہ وفا اور طرح کی

ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی

مقدمہ

علامہ اقبال کی فارسی رباعیات ان کی دو کتابوں "پیام مشرق" اور "ارمغان حجاز" میں شامل ہیں۔ "پیام مشرق" ۱۹۲۳ء میں شائع ہوئی۔ اس کا پہلا حصہ رباعیات پر مشتمل ہے جن کی تعداد ۱۶۳ ہے۔ ان رباعیات کے موضوعات ہمہ گیر اور متنوع ہیں ان میں اقبال نے خدا، کائنات، انسان، زندگی، خودی، بے خودی، عشق، عقل، جبرو قدر، جسم و روح، اخوت و مساوات وغیرہ جیسے اہم مسائل پر اپنے خیالات بیان کئے ہیں جن سے ان کی فکر کی وسعت اور گہرائی کا اندازہ ہوتا ہے۔

"ارمغان حجاز" اقبال کا آخری مجموعہ کلام ہے۔ یہ ان کی وفات کے چھ ماہ بعد نومبر ۱۹۳۸ء میں شائع ہوا۔ اس کتاب میں ان کے افکار و نظریات کا نچوڑ موجود ہے۔ اس کا پہلا حصہ ۳۹۳ فارسی رباعیات پر مشتمل ہے جنہیں پانچ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔

۱۔ پہلے باب کا عنوان "حضور حق" ہے اس میں حمد بھی ہے، شکوہ بھی ہے، التجائیں بھی ہیں۔ بعض رباعیات میں لطیف ظرافت و شوخی کا رنگ نمایاں ہے۔

۲۔ "حضور رسالت" دوسرے باب کا عنوان ہے۔ اس کے تحت پہلے انہوں نے تصوراتی سفر حجاز کا نقشہ کھینچا ہے۔ پھر بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر اپنے جذبات و احساسات بیان کئے ہیں۔

۳۔ تیسرے باب میں ملت اسلامیہ سے خطاب ہے جس کا عنوان "حضور ملت" ہے۔ اس باب میں بحق دل بند و راہ مصطفیٰ رو، خودی، اناالحق، صوفی و ملا، رومی، پیام فاروقؓ، اے فرزند صحرا، تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد،

خلافت و ملوکیت، ترک عثمانی، عصر حاضر، برہمن، دختران ملت، تعلیم، تلاش رزق، نہنگ بابچہ خویش کے ذیلی عنوانات کے تحت اظہار خیال کیا ہے۔

۴۔ چوتھے باب "حضور عالم انسانی" میں ایسے مسائل پر اپنے خیالات بیان کئے ہیں جو تمام قوموں کے لئے یکساں مفید ہیں۔ دل، خودی، جبر و اختیار، موت، بگو ابلیس را، ابلیس خاکی و ابلیس ناری، اس کے ذیلی عنوانات ہیں۔

۵۔ پانچویں باب "بہ یاران طریق" میں اپنے ہم مشربوں سے خطاب ہے۔

پروفیسر عبدالعلیم صدیقی کو مطالعہ اقبال سے گہرا شغف رہا ہے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد انہوں نے پلندری کی پرسکون فضا میں اقبال کے فارسی کلام کو اردو کا روپ دینے کا ارادہ کیا۔ عقل کہتی تھی، ایں خیال است و محال است و جنوں۔ لیکن وہ ان لوگوں میں ہیں جو بڑی لگن اور خاموشی سے اپنا سفر جاری رکھتے ہیں۔ اپنے ایک شعر میں کہتے ہیں۔

راہ: ہم جس پہ چلے ہیں وہ ہے دشوار بہت
دل کو ضد ہے ہمیں مشکل میں ہمیشہ رکھے

انہوں نے اقبال کی پانچ سو چھپن فارسی رباعیات کو بڑے دل نشین انداز میں اردو میں منتقل کیا ہے اور اسے "ارمغان مشرق" کا نام دیا ہے۔ اس کامیابی میں اقبال سے فکری ہم آہنگی نے قدم قدم پر ان کا ساتھ دیا ہے۔ دونوں زبانوں پر کامل دسترس بھی انہیں حاصل ہے اس دسترس اور فکری ہم آہنگی نے ان کے ترجمہ میں بے ساختگی کا جوہر پیدا کیا ہے۔ "ارمغان حجاز" اور "پیام مشرق" کی رباعیات میں اقبال کی فکر اور فن اپنی انتہائی بلندیوں پر ہے۔ اس فکری رفعت اور فنی حسن کو ترجمہ میں برقرار رکھنا بڑا مشکل کام ہے۔ اسی مشکل کی وجہ سے فیض احمد فیض جیسے نادر روزگار شاعر نے اس بھاری پتھر کو چوم کر رکھ دیا۔ اس امر کا اظہار فیض نے "انتخاب پیام مشرق" کے دیباچہ میں کھل کر کیا ہے۔ عبدالعلیم صدیقی فخر سے کہہ سکتے ہیں :

سب پہ جس بار نے گرانی کی
اس کو یہ ناتواں اٹھا لایا

ان کے ترجمہ کی بڑی خوبی یہ ہے کہ اکثر رباعیات کو پڑھتے ہوئے محسوس ہوتا

ہے کہ یہ طبع زاد کلام ہے۔

اٹھ کہ آواز جرس کوچ کا لائی ہے پیام
دیکھ خیموں سے مسافر نکل آئے ہیں تمام
عقل اس راہ میں کرتی نہیں محمل رانی
یہ سفر وہ ہے کہ رکھتے ہیں کف دل میں زمام

◆◆

درد مندوں کی عجب ریت ہے چپ چپ رہنا
ہر نفس سختیٔ غم جانِ حزیں پر سہنا
کھولنا اپنے لبوں کو ہے محبت میں گناہ
کچھ جو کہنا تو نگاہوں کی زباں سے کہنا

◆◆

راہ یثرب کا مسافر ہوں میں اس پیری میں
چل پڑا نغمہ سرا وادی روشن کی طرف
جیسے صحرا میں سر شام پرندہ کوئی
اپنے پر کھول کے اڑتا ہے نشیمن کی طرف

◆◆

کون ہے یہ عجمی نغمہ سرا قافلے میں
اس کی لے ملک عرب کی تو نہیں لگتی ہے
لیکن اس طرح وہ کرتا ہے دلوں کو سیراب
زیست تپتے ہوئے صحرا میں حسیں لگتی ہے

دلوں میں یہ اترنے والا بے ساختہ پن مکمل فکری ہم آہنگی کا مظہر ہے۔

فکر اقبال کو عام کرنے کی آج ضرورت پہلے سے بڑھ کر ہے۔ تنگ نظری اور تعصب کی بدولت دم گھٹنے کی کیفیت پیدا ہو گئی ہے۔ اب اس تعصب کی زد میں محراب و منبر بھی ہیں۔ اس روشن خیالی کے سوتے فکر اقبال ہی سے پھوٹتے ہیں جو اخوت کی جہانگیری اور محبت کی فراوانی کو فروغ دے۔ فکر اقبال ہی سے پاکستان ظہور

پذیر ہوا۔ اس کی سالمیت اور بقا بھی فکر اقبال سے وابستہ ہے۔ فکر اقبال ہی نئی نسل کو وہ بال و پر عطا کر سکتی ہے کہ وہ اکیسویں صدی میں دنیا کی رہبری کر سکیں۔

علامہ اقبال نے پیغام دیا تھا :

معمار حرم باز بہ تعمیر جہاں خیز
از خواب گراں' خواب گراں' خواب گراں خیز

علامہ اقبال کے اس پیام کو سمجھنے میں اب زبان کی دقت بھی حائل ہے۔ فارسی اب ہمارے یہاں معدوم ہوتی جا رہی ہے۔ کشمیر میں جسے اقبال نے ایران صغیر قرار دیا' اس زبان کے جاننے والے کم ہیں۔ اب کلام اقبال کو پاکستانی زبانوں میں منتقل کیا جا رہا ہے۔ کشمیری زبان میں تقریباً سارا کلام اقبال منتقل ہو چکا ہے۔ لیکن آزاد کشمیر میں کشمیری زبان کا چلنؔ بھی کم ہے۔ اردو زبان ہی یکجہتی کا ذریعہ ہے۔ اس لئے ضرورت اس امر کی ہے کہ نئی نسل کو فکر اقبال سے روشناس کرانے کے لئے فارسی کلام کو اردو قالب میں ڈھالا جائے۔ توقع ہے کہ عبدالعلیم صدیقی رباعیات ہی کے ترجمہ پر اکتفا نہیں کریں گے بلکہ باقی فارسی کلام کو بھی اردو میں منتقل کریں گے ان میں اس کام کی صلاحیت موجود ہے۔ "ارمغان مشرق" اس صلاحیت کا ناقابل تردید ثبوت ہے۔ فارسی غزل اور نظم بھی ان کی توجہ کی منتظر ہے جسے اردو میں منتقل کرتے ہوئے انہیں زیادہ لطف بھی محسوس ہو گا۔

ڈاکٹر غلام حسین اظہر

پیام مشرق

(۱)

روز اول سے شہید ناز ہے بزم وجود
ہے نیاز عشق کا مظہر نہادِ ہست و بود
تو نے کیا دیکھا نہیں خود اپنی آنکھوں سے کہ ہے
مہر رخشاں سے جبین صبح پر داغ سجود

(۲)

دل کو دیتا ہے مرے تابندگی سوز دروں
میری آنکھوں کو بناتا ہے جہاں بیں اشک خوں
زندگی کے رمز سے وہ کیوں نہ ہو بیگانہ تر
عشق کو جو بندۂ ناداں سمجھتا ہے جنوں

(۳)

باغ میں باد بہار جاں فزا لاتا ہے عشق
پھول کو پرویں صفت صحرا میں چمکاتا ہے عشق
ہیں شعاعیں آفتاب عشق کی قلزم شگاف
راہ ماہی کو درون بحر دکھلاتا ہے عشق

(۴)

خاک میں ملتی ہے شاہینوں کی قدر و منزلت
جب چکوروں میں خودی بیدار کر دیتا ہے عشق
جس قدر بھی دل مرا اپنی نگہداری کرے
پر کمیں گہ سے نکل کے وار کر دیتا ہے عشق

(۵)

برگ میں لالہ کے رنگ آمیزیاں ہیں عشق کی
میری جاں پر یہ بلاانگیزیاں ہیں عشق کی
تو اگر اس خاکداں کو کر کے دیکھے واشگاف
اس کے اندر کس قدر خونریزیاں ہیں عشق کی

(۶)

عشق سے ہر آدمی ہوتا نہیں ہے مایہ دار
زینہار آتی نہیں سب کو محبت سازگار
لالہ اگتا ہے جگر پر داغ تابندہ لئے
رہتا ہے لیکن دل لعل بدخشاں بے شرار

(۷)

جانے کیا میں ڈھونڈتا ہوں، کس کی خواہش ہے مجھے
اس گلستاں میں پریشاں مثل بو رہتا ہوں میں
آرزو میری بر آئے یا نہ آئے، جو بھی ہو
ہاں، شہید سوز و سازِ آرزو رہتا ہوں میں

(۸)

گرچہ مشت گل ہے دنیا، حاصل دنیا ہے دل
اور اس اک قطرہ خوں سے وہ کس مشکل میں ہے
ماجرا یہ ہے کہ خوگر ہے دوبینی کی نگاہ
ورنہ ہر انسان کی دنیا خود اس کے دل میں ہے

(۹)

صبح دم مالی سے بلبل کہہ رہا تھا باغ میں
اک نہال غم ہے یہ مٹی جسے راس آتی ہے
خار صحرا میں پہنچ جاتا ہے پیری تک مگر
گل جواں ہونے نہیں پاتا کہ موت آ جاتی ہے

(۱۰)

نیستی ہے منسلک دنیا کی ہست و بود سے
ہے زیاں بھی ہر گھڑی وابستہ اس کے سود سے
ہر پرانے کو نیا کر، طرح دیگر آزما
دل مرا اکتا گیا ہے اس کے دیر و زود سے

(۱۱)

دہر میں ہے نغمہ ہائے عشق کا ساز آدمی
کھولتا ہے راز لیکن خود بھی ہے راز آدمی
ایک نے پیدا کیا' اک نے بنایا خوب تر
ہے مگر کار جہاں میں رب کا انباز آدمی

(۱۲)

انتہا کی ہے نہ مجھ کو ابتدا کی جستجو
راز خود بھی ہوں' جہانِ راز کا جویا ہوں میں
مجھ پہ گر راز حقیقت کو کبھی افشا کریں
پھر یہی ہو گا کہ وہم و فکر میں کھویا ہوں میں

(۱۳)

یہ ترا نارائی پروانہ' اے دل' تابکے
اجتناب از شیوہ مردانہ' اے دل' تابکے
مرتبہ چاہے تو اپنی آگ کے شعلے میں جل
یہ طواف آتش بیگانہ' اے دل' تابکے

(۱۴)

اپنی مشت خاک سے پیدا کر ایسا تن کہ ہو
جس کی شان استقامت سے خجل سنگیں حصار
اس کے اندر اک دلِ غم آشنا و دردمند
جس طرح کہسار کی آغوش میں ہو جوئبار

(۱۵)

آب و خاک و باد سے اللہ کی قدرت نے ایک
عالم زیبا ارم سے خوب تر پیدا کیا
میرے ساقی نے مگر آتش سے میری خاک کی
اک جہانِ نو باندازِ دگر پیدا کیا

(۱۶)

اک برہمن نے بروز حشر یزداں سے کہا
تھا فروغ زندگانی دہر میں تابِ شرر
لیکن اتنا عرض کر دوں تو اگر ناخوش نہ ہو
سچ تو یہ ہے آدمی سے تھا صنم پائندہ تر

(۱۷)

گزرا کتنی تیز گامی سے تو اے نجم سحر
دیکھ کر خوابیدہ ہم کو ہو گیا بیزار تو
مجھ کو تو نا آگہی نے راہ سے بھٹکا دیا
ہاں، مگر بیدار آیا اور گیا بیدار تو

(۱۸)

میکدے میں شور ہا و ہو نہ ہوتا زینہار
پیکرِ گل دہر میں رہتا ہمارا بے شرار
عشق اور ہنگامہ ہائے عشق بھی ہوتے کہاں
دل جو مثل عقل ہوتا زیرک و حکمت شعار

(۱۹)

اپنی فطرت سے یہ پرواز آشنائی ہے تری
آسماں پر ہر زماں بال آزمائی ہے تری
چھین لی تاب و تواں سب مجھ سے حرص و آزمنے
پیہم اقصائے فضا میں پرکشائی ہے تری

(۲۰)

کس قدر کیف آفریں ہیں نقش ہائے ہست و بود
دل میں ذرے ذرے کے ہے جاگزیں جوشِ نمود
غنچۂ گل کوئی جس دم پھوٹتا ہے شاخ سے
اس کے چہرے پر تبسم لاتا ہے ذوقِ وجود

(۲۱)

سنتے ہیں پروانہ کہتا تھا عدم میں بار بار
زندگانی کی وہ تاب و تب عطا کر اے خدا
صبح ہوتے ہی پریشاں کر دے میری خاک کو
مجھ کو لیکن سوز و ساز اک شب عطا کر اے خدا

(۲۲)

اے مسلماں ! جان جبرائیل سے تابندہ تر
حرف راز اک ہے کہ جس سے میرا دل آگاہ ہے
دور تر آزرنہادوں سے اسے رکھتا ہوں میں
کیونکہ یہ سرّے ز اسرارِ خلیل اللہ ہے

(۲۳)

اس کے کوچے ہی میں رہتا ہے سحر کیا ! شام کیا!
میرے پاس' اے دل' تجھے ملتا نہیں آرام کیا؟
تو ہے اور پیہم تمنا آفرینی ہے تری
تجھ کو دنیا میں نہیں ہے اور کوئی کام کیا؟

(۲۴)

اپنے اندر کے جہاں سے آگہی رکھتا نہیں
سینۂ انجم میں گو راہیں بنا سکتا ہے تو
دیکھ آنکھیں کھول کر خود کو بھی دانے کی طرح
بے گماں زیر زمیں سے نخل اگا سکتا ہے تو

(۲۵)

فصل گل میں شاخسار بوستاں پر صبح دم
کہہ رہا تھا کتنی اچھی بات مرغ نغمہ خواں
جو بھی تیرے سینے کے اندر نہاں ہے' فاش کر
نغمہ و بانگ و سرود و نالہ و آہ و فغاں

(۲۶)

آشنا اس نکتۂ سر بستہ سے کر دوں تجھے
گر حیات جاوداں کا دہر میں جویا ہے تو
تیرے تن میں گر نہیں ہے جاں تو بے شک مردہ ہے
جاں اگر ہے تیرے تن میں تو نہیں مرتا ہے تو

(۲۷)

ذکر مجھ سے اس پتنگے کا نہ چھیڑ اے ہم نشیں
جس کی ساری داستانِ سوز ہے آواز گوش
مانتا ہوں صرف اسی پروانے کو پروانہ میں
عشق میں ہے جان جس کی سخت کوش و شعلہ نوش

(۲۸)

تجھ کو اپنے آپ سے بیگانہ و غافل کرے
ایسی میرے پاس صہبائے طرب افزا نہیں
ڈھونڈتا ہے کیا مرے بازار میں دیگر متاع
مثل گل میں جز دل صد چاک کچھ رکھتا نہیں

(۲۹)

گر شہید آرزو مندی نہیں ہے تیری جاں
سیر کو میرے چمن کی جانتا ہے تو زیاں
یہ تماشائے طلسمِ رنگ و بو ہر گز نہیں
میں دکھاتا ہوں کہ کیا کچھ ہے رگِ گل میں نہاں

(۳۰)

اس جہان کیف و کم سے تو فزوں تر ہو کے دیکھ
ورطۂ بود و عدم سے بڑھ کر آگے رکھ قدم
اپنے پیکر میں خودی کی اس طرح تعمیر کر
مثل ابراہیم تو ہو جائے معمار حرم

(۳۱)

طائرانِ گلستاں سے میں نہیں ہوں آشنا
نغمہ سنجی ہے مری سب سے الگ' سب سے جدا
دل ہے گر نازک ترا مجھ سے کنارہ گیر ہو
ہے مثالِ لالہ خوننابہ فشاں میری نوا

(۳۲)

تیری دنیا میں عجب ہنگامہ ہے میرے خدا
جبکہ ساری بزم ہستی مستِ یک پیمانہ ہے
ہے نگاہوں میں تو باہم اک طرح کا ارتباط
دل سے دل اور جاں سے جاں لیکن یہاں بیگانہ ہے

(۳۳)

خضر سے یہ نکتۂ خوشتر سکندر نے کہا
کیوں نہیں تو بھی شریک سوز و سازِ بحر و بر
دیکھتا ہے کیا کنارِ عرصہ سے اس جنگ کو
جان میدانِ وغا میں دے کے ہو جا زندہ تر

(۳۴)

تختِ خسرو خاک ہے' اکلیلِ دارا خاک ہے
مسجد و دیر و بتستان و کلیسا خاک ہے
اپنے جوہر سے مگر اب تک ہوں میں نا آشنا
برتر از گردوں نظر ہے' جسم میرا خاک ہے

(۳۵)

عالمِ سود و زیاں میں تیری مشتِ خاک کو
گر میسر ہے دل صد پارۂ خوننابہ بار
سیکھ گر یہ بادلوں سے موسم برسات کے
تاکہ تیری اشکباری بھی اگائے لالہ زار

(۳۶)

نقش ہائے نو بہ نو کو دمبدم کرتی ہے ثبت
ایک صورت پر قرارِ زندگی ہر گز نہیں
گر ترا امروز تیرے دوش کی تصویر ہے
خاک میں تیری شرارِ زندگی ہر گز نہیں

(۳۷)

ذوقِ نغمہ جب کبھی جلوت میں لاتا ہے مجھے
اک قیامت میری محفل میں بپا ہو جاتی ہے
اور اگر اک لمحہ بھی خلوت گزیں ہوتا ہوں میں
ساری دنیا میرے دل میں آن کے کھو جاتی ہے

(۳۸)

دل جسے کہتے ہیں شاید اس سے تو واقف نہیں
سوز جس دم عقل میں ہو جائے پیدا' دل ہے وہ
دل ہے دل جب تک کہ اس میں رہتا ہے ذوق تپش
گر تپش سے ایک لحظہ بھی ہو عاری' گل ہے وہ

(۳۹)

عقل کہتی ہے اسے ممکن نہیں ہے دیکھنا
ہے نگاہِ شوق لیکن خوگرِ امید و بیم
طور کا قصّہ پرانا ہو نہیں سکتا کبھی
ہر بشر کے دل میں پنہاں ہے تمنّائے کلیم

(۴۰)

مسجد و بت خانہ و دیر و کلیسا و کنشت
اس جہاں میں تو نے کیا پیدا کیا جز مشتِ گل
تجھ کو غیروں کی غلامی سے چھڑا سکتا ہے کون
تو نے اے غافل نہیں پیدا کیا سینے میں دل

(۴۱)

میں نے اس بستاں سرا میں دل لگایا ہی نہیں
تھا کمندِ این و آں سے دور صد فرسنگ میں
آ گیا دم بھر کو باد صبح کی صورت یہاں
ہو گیا رخصت گلوں کو دے کے آب و رنگ میں

(۴۲)

بادۂ گل رنگ نے جو میرے پیمانے میں ہے
شوقِ تازہ سے کیا رندِ کہن کو بے قرار
یہ وہی مے ہے' مغان دور پیشیں کی طرح
جس کو چشمِ مستِ ساقی سے لیا ہے مستعار

(۴۳)

اس کی مے نے میری مٹی کو بنایا جام جم
کر دیا اک قطرۂ ناچیز میں پوشیدہ یم
عقل کے بتخانے کو ڈھا کر خلیل عشق نے
از سر نو کی مرے سینے میں تعمیر حرم

(۴۴)

عقل حیراں ہے پرستار بتان چشم و گوش
صیدِ دامِ چار سو' زنجیریٔ امروز و دوش
آستیں میں روز و شب پوشیدہ رکھتا ہے صنم
ہر برہمن کا پسر ہے بتگر و زنار پوش

(۴۵)

سب کو قدرت نے دیا ہے سوچنے والا دماغ
ہر بشر کا جسم ہے میری طرح سے خاک و خوں
ہاں مگر اس رازِ سربستہ سے اک میرے سوا
کون واقف ہے ضمیر خاک و خوں ہے بے چگوں

(۴۶)

طور پر ہے، اے گدائے جلوہ، یہ کس کی تلاش
کیوں زمانے میں نہیں کرتا ہے تو اپنی تلاش
گام زن ہو آدمی کو ڈھونڈنے کے واسطے
آدمی کی ہے خدائے بحر و بر کو بھی تلاش

(۴۷)

میری جانب سے کوئی جبریل کو پیغام دے
گرچہ تیری طرح سے پیکر مرا نوری نہیں
دیکھ ہم خاکی نہادانِ زمیں کی تاب و تب
تو ولیکن آشنائے ذوقِ مہجوری نہیں

(۴۸)

چاہتا ہے گر ہمائے علم آئے زیر دام
وہم کا گرویدہ بن کر کے یقیں کو پاش پاش
گر عمل کی آرزو ہے، کر یقیں کو پختہ تر
ایک ہی کا ہو کے رہ اور ایک ہی کو کر تلاش

(۴۹)

عقل نے پردوں میں پنہاں کر دیا چہرہ ترا
اور نگاہ شوق میری تشنۂ دیدار ہے
آرزو سے ہر گھڑی اندیشہ ہے زور آزما
اک عذاب مستقل سے جاں مری دوچار ہے

(۵۰)

موت کے اندیشے سے لرزاں نہ دل تیرا رہے
یوں نہ ہلدی کی طرح چہرہ ترا پیلا رہے
گر کرے عزم و عمل سے تو خودی کو پختہ تر
پھر تو بعد از مرگ بھی دنیا میں تو زندہ رہے

(۵۱)

کیا بتاؤں ارتباطِ جان و تن کا ماجرا
دام کیف و کم میں آ کر مضطر و آزردہ ہوں
میں دمِ آشفتہ ہوں یکسر رہینِ پیچ و تاب
آ کے بیروں سینۂ نے سے نوا ہوں نالہ ہوں

(۵۲)

ایک پیرِ نکتہ داں نے یوں کیا مجھ سے کلام
تیرا ہر امروز ہے دراصل فردا کا پیام
اپنے دل کو دور تر خوبان بے پروا سے رکھ
ہے حریمِ ایزدی میں غیر کو لانا حرام

(۵۳)

بہرِ تفہیمِ معانی جائیں کیوں رازی کے پاس
ہے ضمیر انسان کا آیات قرآں کا دلیل
عقل بھڑکاتی ہے آگ اور آگ میں جلتا ہے دل
ہاں، یہی تفسیرِ ہے تفسیر نمرود و خلیل

(۵۴)

گفتگو کا بن گئی محور میری بود و نبود
آپ ہی میں کچھ کہوں تو خود پرستی ہے مری
اک نوائے سادہ سینے میں مگر یہ کس کی ہے
جو یہ کہتی ہے جدا اک اپنی ہستی ہے مری

(۵۵)

شاعرِ رنگیں نوا کو دے کوئی میرا پیام
لالہ کے مانند جلنے سے نہیں ملتا مقام
تیری آتش لا نہیں سکتی ترے دل میں گداز
اور نہ کر سکتی ہے روشن وہ کسی بیکس کی شام

(۵۶)

تیرے خوب و زشت کا پیمانہ ہے سود و زیاں
زندگی کے اس قرینے سے میں بہرہ ور نہیں
میری اپنی ہے نظر، سب سے الگ سب سے جدا
کوئی اس بزم جہاں میں مجھ سے تنہا تر نہیں

(۵۷)

تجھ کو شاید یہ نہیں معلوم اے شیخ حرم
عشق کی دنیا جسے کہتے ہیں بے محشر نہیں
ہاں، گناہ و نامہ و میزاں سے وہ بیگانہ ہے
اس کی نظروں میں کوئی مسلم نہیں کافر نہیں

(۵۸)

قطرۂ آب اپنی تابش آپ جو پیدا کرے
درمیانِ صد گہر وہ گوہرِ یک دانہ ہو
زندگی اس طرح اپنے ہم نواؤں میں گزار
بزمِ کہسار و گلستاں تیرا خلوت خانہ ہو

(۵۹)

میں ہوں اے دانش درانِ دہر پیچ و تاب میں
اس کے معنی کا ہے دام عقل میں آنا محال
میری الجھن ہے کہ مشتِ خاکِ تن میں کس طرح
آ گیا دل جو ہے صحرائے غزالانِ خیال

(۶۰)

میرے ہمدم ! بزم ساحل پر نہ کر آراستہ
ہے بہت اس جا نوائے زندگانی نرم خیز
مل گئی اس کو حیات جاودانی کی نوید
لڑ گیا دریا میں جو با مو جہائے تند و تیز

(۶۱)

میری ہستی تو سراپا معنیٔ سربستہ ہے
کھولنے میں جس کے حرف و صوت ہے ناکامیاب
بزم عالم میں نہ میں مختار نے مجبور ہوں
خاکِ زندہ ہوں، مرا شیوہ ہے پیہم انقلاب

(۶۲)

مدعائے زندگی سے تو ہو کیسے باخبر
شیوہ و اسلوب پر اس کے نہیں تیری نگاہ
اس قدر سرشار ہے ذوق سفر سے دل مرا
میں سمجھتا ہوں کہ منزل کچھ نہیں جز سنگ راہ

(۶۳)

پارۂ سنگ اس طرح قیمت میں افزوں تر ہوا
تیرے فیضِ آرزو سے رونقِ گوہر ہوا
بندۂ زر خود کو تو پیمانۂ زر سے نہ ناپ
زر تری اپنی نظر کے زاویئے سے زر ہوا

(۶۴)

وہ وفاناآشنا، بیگانہ خو، نامہرباں
بے قرارِ جستجوئے جلوۂ جانانہ تھا
جب اسے دیکھا میرے سینے سے فوراً اڑ گیا
دست آموز اور کا تھا، میں نے یہ جانا نہ تھا

(۶۵)

شق اور نیرنگیٔ عشق آنکھ سے پنہاں نہیں
تو نے جس صورت میں چاہا آشکارا ہو گیا
بش از نقطہ نہیں ہے جب تلک سینے میں ہے
جب زباں پر آ گیا وہ بے کنارا ہو گیا

(۶۶)

غنچۂ نورستہ کیوں دلگیر ہے، کچھ تو بتا
دیکھ اس بستاں سرا سے تجھ کو کیا کچھ مل گیا!
بزم گل، مرغ چمن سیر، آبجوئے نرم رو
چاندنی، شبنم، نوائے صبحدم، باد صبا!

(۶۷)

اک گلِ افسردہ مجھ سے صبحدم کہنے لگا
زندگانی ہے ہماری مثلِ پروازِ شرار
محنتِ نقش آفریں پر دل میرا آزردہ ہے
اس کا ہر نقشِ قلم دنیا میں ہے ناپائیدار

(۶۸)

یہ جہانِ شش جہت جس کا کوئی پایاں نہیں
مثلِ ماہی قلزمِ ایام ہی میں غرق ہے
کھول کر آنکھ اپنے دل اور اس کی پنہائی کو دیکھ
قلزم ایام بھی اک جام ہی میں غرق ہے

(۶۹)

میں ہوں مرغانِ چمن کا ہمدم و ہم داستاں
گلستاں کے غنچہ ہائے بے زباں کا ترجماں
جب میں مر جاؤں صبا میں میری مٹی کو ملا
کام دنیا میں مرا کیا ہے بجز طوفِ گلاں

(۷۰)

وادیٔ گل میں ہے جو کچھ وہ دکھاتی ہے مگر
لالۂ آتش بجاں کے سینے کے اندر ہے کیا؟
یہ چمن اپنی نظر میں ہے فقط اک موجِ رنگ
کون واقف ہے بچشمِ بلبلاں منظر ہے کیا؟

(۷۱)

تو ہے خورشید درخشاں میں ہوں سیّارہ ترا
مجھ کو نورانی بنا دیتا ہے نظّارہ ترا
دور ہوں آغوش سے تیری تو میں ہوں ناتمام
تو ہے قرآنِ مقدس میں ہوں سیپارہ ترا

(۷۲)

آنکھ کو اس کے نظارے کی لگن ہے خوبتر
جستجو میں خستہ جاں کاہیدہ تن ہے خوبتر
ایک صاحب دل نے یہ نکتہ بتایا ہے مجھے
یاد رکھ منزل سے راہِ پر محن ہے خوبتر

(۷۳)

کافرِ زنار دارِ دیر ہے میرا دماغ
جو بتوں کا آپ ہی خالق بھی ہے بندہ بھی ہے
میرے دل کو دیکھ جو مرہونِ سوزِ عشق ہے
گرچہ آئین و شریعت سے وہ بے پروا بھی ہے

(۷۴)

سروِ آزاد اس کا ادنیٰ بندۂ بیچارہ ہے
اس کی مے سے سرخوش و شاداب گل کا چہرہ ہے
ہیں نجوم و آفتاب و ماہتاب اس کے حریم
آدمی کے دل کا لیکن ان کھلا دروازہ ہے

(۷۵)

گرچہ انجم تا بہ انجم صد جہاں موجود تھا
جس جگہ بھی عقل پہنچی آسماں موجود تھا
میں نے لیکن جس دم اپنے آپ پر ڈالی نظر
میرے اندر اک کرانِ بے کراں موجود تھا

(۷۶)

پاؤں باندھے ہیں ترے تقدیر کی زنجیر نے
ورنہ زیرِ آسماں تیرے لئے بھی راہ ہے
گر تجھے باور نہیں، اٹھ اور اپنے پاؤں کھول
دیکھ کیسی بے کرانہ تیری جولاں گاہ ہے

(۷۷)

ہے طلسمِ خویش کے زنداں میں دل میرا اسیر
روشن اس کے نور سے دنیائے موجودات ہے
داستاں اب اپنی صبح و شام کی میں کیا کہوں
مہر عالمتاب کی تخلیق کل کی بات ہے

(۷۸)

نغمہ زن ہے سازِ جاں میرا ترے مضراب سے
جاں سے بیروں بھی ہے میری جاں میں بھی بستا ہے تو
تجھ سے روشن شمع میری، تو نہ ہو تو میں نہیں
نقش ہوں میں تو مصور، میں نہ ہوں تو کیا ہے تو

(۷۹)

نقش میرا موج آشفتہ اسی کے یم سے ہے
میری نے اور میرا نغمہ بھی اسی کے دم سے ہے
صورتِ سبزہ اگا ہوں میں لبِ جوئے ابد
میری رگ اور میرا ریشہ بھی اسی کے نم سے ہے

(۸۰)

درد پنہاں نے ترے سینے میں جب انگڑائی لی
تو نے یہ سارا جہانِ رنگ و بو پیدا کیا
عشق اگر بے باک ہے میرا تو کیوں ناخوش ہے تو
خود ہی تو نے سوز و ساز و ہا و ہو پیدا کیا

(۸۱)

تجھ کو کس کی جستجو ہے' مدعا کیا ہے ترا؟
وہ تو ہر جا جلوہ گر ہے تو ہے پردے میں چھپا
اس کو ڈھونڈے گا تو کیا دیکھے گا تو اپنے سوا
آپ کو ڈھونڈے گا تو اس کے سوا کیا پائے گا

(۸۲)

آپ اے کودک منش دنیا میں حاصل کر مقام
تو مسلماں زادہ ہے نام و نسب کو چھوڑ دے
اپنے رنگ احمریں و استخوان و پوست پر
گر عرب نازاں ہو بے خدشہ عرب کو چھوڑ دے

(۸۳)

ہم نہ افغاں ہیں نہ ایرانی ہیں نے ترک و تتار
بوستاں ہے اک ہمارا' اک ہماری شاخسار
امتیاز رنگ و بو کو ہم سمجھتے ہیں حرام
کیوں نہ یکدل ہوں کہ ہیں پروردۂ یک نو بہار

(۸۴)

ہے مرے سینے کے اندر اک جدا عالم نہاں
آب و گل میں دل نہاں ہے اور دل میں غم نہاں
شعلے بھڑکائے تھے جس صہبا نے جسم و جان میں
اب بھی اس صہبا سے ہے میرے سبو میں نم نہاں

(۸۵)

میرے دل' اے میرے دل' اے میرے دل' اے میرے دل
میری کشتی' میرا ساحل اور مرا دریا ہے تو
اوس کی مانند کیا ٹپکا ہے میری خاک پر؟
یا مری مٹی سے غنچے کی طرح پھوٹا ہے تو؟

(۸۶)

کیا بتاؤں میں کہ خوب و زشت کہتے ہیں کسے
اس کے معنی کی گرہ کو کھولنا دشوار ہے
دیکھتے ہیں خار و گل کو شاخ سے بیروں مگر
اندرونِ شاخ کوئی گل نہ کوئی خار ہے

(۸۷)

جس بشر کے سینے میں سوز غم پنہاں نہیں
سانس تو چلتی ہے لیکن تن میں اس کے جاں نہیں
آرزو جاں کی اگر رکھتا ہے تو خالق سے مانگ
تاب و تب جس کا کوئی پایاں نہیں، درماں نہیں

(۸۸)

کون ہوں، آیا کہاں سے میں، کسے معلوم ہے؟
زندہ رکھتا ہے مگر مجھ کو مرا ذوقِ نمود
اس سمندر میں ہوں میں مانندِ موجِ بے قرار
ہے سکوں اک پل کا بھی میرے لئے مرگ وجود

(۸۹)

تیرے جلوے چارسو ہیں اور تو زیرِ نقاب
تاب تو میری نگاہ شوق کی لاتا نہیں
دوڑتا ہے یوں لہو میں جیسے مستی مے میں ہو
ہے مگر بیگانہ خو ایسا کہ ہاتھ آتا نہیں

(۹۰)

دل میں منزل کی نہیں پیہم سفر کی چاہ رکھ
پاک و صاف اپنی نظر کو مثل مہر و ماہ رکھ
بخش دے اوروں کو بے خدشہ متاع عقل و دیں
گر ملے تو عشق کے غم پر نگہ ہر گاہ رکھ

(۹۱)

اے غم عشق آ کہ تو ہے رمز دل کا آشنا
تو مری کھیتی کا حاصل تو ہے میرا مدعا
اب پرانے ہو گئے ہیں اس قدر خاکی نہاد
میری مٹی سے جہاں میں آدم دیگر اٹھا

(۹۲)

گو سخن لاتا ہے غم، لیکن ہے غم خوشتر مجھے
درد و سوز و نالہ ہائے دمبدم خوشتر مجھے
کیا خبر دارا و اسکندر کو میرے عیش کی
ہے نوائے دل نشیں از ملکِ جم خوشتر مجھے

(۹۳)

منصب و ثروت کو خاطر میں نہیں لاتا ہوں میں
شہر یاروں کی طرف ہرگز نہیں جاتا ہوں میں
اک یہی دولت ہے بس میرے لئے اے ہم نشیں
سینہ کاوی جب کروں لعل و گہر پاتا ہوں میں

(۹۴)

آرزو تجھ کو کمال زندگی کی ہے تو سیکھ
کھول کر آنکھ اپنے اندر کے جہاں کو دیکھنا
جذب کر لینا ہمہ عالم کو اپنے سینے میں
توڑ کر سارے طلسمِ این و آں کو دیکھنا

(۹۵)

میں نے یہ مانا کہ آدم زادۂ خاکی نہاد
ہے گرفتارِ طلسماتِ جہانِ رنگ و بو
خالق فطرت کا لیکن یہ بھی اک اعجاز ہے
ہے بنائے بحرِ بے پایاں یہی اک آبجو

(۹۶)

دل نڈر ہو تب تو ہے اس کے لئے ضرغام رنگ
دل نہ ہو بیباک تو آہو نظر آئے پلنگ
تو اگر ترساں نہیں، ہے بحر بھی صحرا تجھے
اور اگر ڈر جائے تو ہر موج ہے مثل نہنگ

(۹۷)

کچھ خبر مجھ کو نہیں صہبا ہوں یا ساغر ہوں میں
میرے دامن میں گہر ہے یا کہ خود گوہر ہوں میں
دیدۂ دل وا ہوا تو راز یہ مجھ پر کھلا
مجھ سے جاں کا ربط کیا، دیگر ہے جاں دیگر ہوں میں

(۹۸)

تو یہ کہتا ہے کہ میرا طائر آیا زیر دام
اس کے بال و پر کو اب پرواز کرنا ہے حرام
سچ تو یہ ہے معنیٔ جاں تن سے روشن تر ہوا
میرے خنجر کو فساں کا کام دیتی ہے نیام

(۹۹)

آرزو سے ہے گراں مایہ مرا دل کس طرح؟
سینے میں جلتی ہے میرے شمعِ منزل کس طرح؟
کون آنکھوں سے مری کیا دیکھتا ہے؟ کیا خبر
خاک میں میری در آیا جوہرِ دل کس طرح؟

(۱۰۰)

جب گیا میں جنت الفردوس میں مرنے کے بعد
یاد تھا مجھ کو ابھی تک یہ زمین و آسماں
میری حیرانی بڑھی اتنی کہ مجھ کو شک ہوا
وہ حقیقت میں جہاں تھا یا کہ تصویرِ جہاں

(۱۰۱)

اب بھی اپنی ساخت میں دنیا ہیولیٰ ہے فقط
اس سبب سے ہے اسیر انقلاب صبح و شام
کرتی رہتی ہے اسے ہموار سوہان قضا
ہے ابھی یہ پیکر گل ایک نقش ناتمام

(۱۰۲)

میری حیرت کو مٹا اے آسماں گرد آفتاب
میری آنکھوں میں بایں دوری سما جاتا ہے تو
کس طرح خاکی سے واصل، خاکداں سے دور ہے؟
آخر اے مژگاں گسل کس دیس سے آتا ہے تو؟

(۱۰۳)

اپنے تیشے سے تراش اپنے سفر کا راستہ
پیروی غ دیگراں ہے جان پر لینا عذاب
کوئی نادر کام اگر کرتا ہے اس دنیا میں تو
وہ گنہ بھی ہو تو باور کر کہ ہے کار ثواب

(۱۰۴)

رہرو دل کو نہیں آتی ہے منزل سازگار
نے جہانِ آب و باد و آتش و گل سازگار
یہ نہ سمجھو تن میں محو استراحت ہو گیا
ایسے دریا کو نہیں زنہار ساحل سازگار

(۱۰۵)

شاہد فطرت کے آب و رنگ کا نظارہ کر
ڈھونڈ لی ہے گوشہ خلوت میں کیوں تو نے پناہ
عنایت کی ہے چشم پاک بیں
تاکہ اس کی روشنی سے تو کرے پیدا نگاہ

(۱۰۶)

معترف دل میرا افلاطوں نہ فارابی کا ہے
آپ ہی کو زندگی کا راہبر رکھتا ہوں میں
میں نے اوروں سے نگاہ و چشم کی مانگی نہ بھیک
دیکھنے کو اپنی آنکھ اپنی نظر رکھتا ہوں میں

(۱۰۷)

کوئی آغاز خودی سے باخبر ہر گز نہیں
وہ اسیرِ حلقہ شام و سحر ہر گز نہیں
میں نے اک دن خضر سے یہ نکتۂ نادر سنا
بحر اپنی موج سے دیرینہ تر ہر گز نہیں

(۱۰۸)

سیکھ اے دل غنچۂ نورستہ سے رمز حیات
اس حوالے سے حقیقت تک رسائی کی ہے راہ
تیرہ و تاریک مٹی سے وہ اگتا ہے مگر
ہے شعاعِ مہرِ عالمتاب پر اس کی نگاہ

(۱۰۹)

اس کے جلووں سے ہے روشن محفلِ بستان وراغ
پھول اس کے بادۂ سرخوش سے ہیں روشن ایاغ
تیرہ و تار اس نے کب چھوڑا کسی کی رات کو
ضوفشاں ہر دل میں ہے اس کی محبت کا چراغ

(۱۱۰)

غنچہ، خاکِ نرگستاں سے ہوا جب رونما
خواب اس کی آنکھ سے شبنم نے آ کر دھو دیا
بیخودی اب ہو گئی نور خودی سے مایہ دار
جستجو جس کی جہاں کو تھی وہ آخر مل گیا

(۱۱۱)

یہ جہاں رکھتا نہ تھا خود اپنے اندر دستگاہ
ڈھونڈ لی تب اس نے کوئے آرزو میں اپنی راہ
باہر آیا وہ عدم سے کر کے دزدیدہ گریز
جز دلِ آدم نہ تھی اس کے لئے کوئی پناہ

(۱۱۲)

میرا دل ہے بے گماں دانائے راز جسم و جاں
مت سمجھ میرے لئے ہے موت کا آنا گراں
آنکھ سے گر اک جہاں اوجھل ہوا تو غم ہی کیا!
رکھتا ہے میرا ضمیر اپنے جلو میں صد جہاں

(۱۱۳)

زندگانی میں گل رعنا بھی مشکل رکھتا ہے
آپ کو زندانیٔ نیرنگ محفل رکھتا ہے
نطق گو پایا نہیں اس کی زبانِ برگ نے
سینۂ چاک اس کا بھی میری طرح دل دکھتا ہے

(۱۱۴)

فطرت لالہ، غمِ سنبل سے ہوں میں آشنا
اندرون شاخ بوئے گل سے ہوں میں آشنا
بوستاں میں اس لئے وہ دوست رکھتی ہے مجھے
درد و سوز نالۂ بلبل سے ہوں میں آشنا

(۱۱۵)

شش جہت کیا ہے فقط اک نغمہ زار آرزو
اس کا سارا زیر و بم مرہون تار آرزو
میری آنکھوں میں ہے جو مستقبل و ماضی و حال
فی الحقیقت ہے دمے از روزگار آرزو

(۱۱۶)

زندگی کو بے قرار آرزو رکھتا ہوں میں
اندرونِ سینہ سوزِ ہا و ہو رکھتا ہوں میں
مجھ سے تو کیا بات کرنا چاہتا ہے ہم نشیں
اپنے دل سے خود کو محو گفتگو رکھتا ہوں میں

(۱۱۷)

ہے ہماری زندگی کا راز سوز ناتمام
صورت ماہی ہے ہم کو بے تپش جینا حرام
جا نہ ساحل پر کہ اس کے حلقۂ آغوش میں
ایک لمحے کی تپش ہے اور پھر مرگ دوام

(۱۱۸)

واعظ شہر ! اتنا ناخوش اور آزردہ نہ ہو
برہمن کہتا ہے گر پیشِ بتاں سجدہ کرو
جب خدا نے خود بنائی ایک صورت اور کہا
اس کے آگے ساکنانِ آسماں سجدہ کرو

(۱۱۹)

توڑ ڈالے ہیں بنا کر کتنے بت داناؤں نے
دیر ہست و بود سے نکلا مگر کب آدمی
کس طرح افرشتہ و یزداں کو پائے گی خرد
اب تلک آیا نہیں فتراک میں جب آدمی

(۱۲۰)

ہر زماں اگتے ہیں تازہ تر جہاں گل میں مرے
زندگی کا راز پوشیدہ ہے حاصل میں مرے
راہ گم کردہ مسافر اپنی منزل کا ہے تو
دیکھ ہو کر بادیہ پیما کبھی دل میں مرے

(۱۲۱)

یہ ہزاروں سال کی اپنی پرانی ریت ہے
آپ سے منہ پھیر کر فطرت سے ناتا جوڑنا
بات ساری داستاں میں لیکن اتنی ہی سی ہے
اک نئی صورت بنانا' پوجنا اور توڑنا

(۱۲۲)

جب ازل کی وسعتوں میں کرتا تھا پرواز میں
آب و گل کی قید سے آزاد تھا بیگانہ تھا
مجھ کو پھر لایا ہے تو بازار ہست و بود میں
کیونکہ میں تیری نظر میں گوہرِ یکدانہ تھا

(۱۲۳)

میرے اندر جلوۂ افکار ہے' ایسا ہے کیوں؟
عالمِ بیروں ہمہ اسرار ہے' ایسا ہے کیوں؟
اے حکیمِ نکتہ پرداز اتنا بتلا دے مجھے
جسم آسودہ ہے' جاں بیقرار ہے' ایسا ہے کیوں؟

(۱۲۴)

سوز غمہائے دروں آیا ہے مجھ کو سازگار
خود پہ نازاں ہوں کہ پائی ہے طبیعت بے نیاز
نے نوازی نے مری روشن کیا سینہ ترا
مری فطرت ہے سکندر کی طرح آئینہ ساز

(۱۲۵)

گر تجھے مل جائے اپنے کیف و کم کی آگہی
اپنی شبنم سے کرے تعمیر بحرِ بے کراں
روشنی کی بھیک کب تک چاند سے مانگے گا تو
اپنے ہی دم سے تو اپنی رات کو کر ضوفشاں

(۱۲۶)

دل کی دنیا ہے برونِ حلقۂ بود و عدم
زندگی دل کی کسی صورت رہینِ دم نہیں
موت سے ہیبت زدہ رہتا ہے کیوں اے کم نظر
دل اگر باقی رہے، جاتا ہے دم تو غم نہیں

(۱۲۷)

یوں ہی تو جس وقت تک ہے میرے سینے میں مقیم
شوکت و شانِ شہاں سے مجھ کو خوشتر ہے گلیم
میرے پاس اے دل رہے گا کیا مرے مرنے کے بعد؟
تیرے ہاتھوں زیست ہے بازی گہ امید و بیم

(۱۲۸)

کوئی پہنچا دے خدا جویانِ معنی آشنا
صوفیانِ باصفا کے کان تک میرا پیام
جو خدا کو دیکھ لے اپنی خودی کے نور سے
میں ہوں ایسے خودنگر بندے کی ہمت کا غلام

(۱۲۹)

یوں نہ رہ نرگس کی صورت باغ نادیدہ رہے
مثل بو کیا جینا جو غنچے میں پوشیدہ رہے
تجھ کو حق سے چشمِ روشن تر ملی، ایسا نہ ہو
عقل تو بیدار ہو، دل تیرا خوابیدہ رہے

(۱۳۰)

میں بتوں کو شکل پر اپنی تراشا کرتا ہوں
اپنی صورت پر خدا کو بھی بنایا کرتا ہوں
مجھ کو اپنی ذات سے باہر نکلنا ہے محال
میں بہر رنگ و طریق اپنی ہی پوجا کرتا ہوں

(۱۳۱)

غنچۂ نورستہ نے اک صبح شبنم سے کہا
ہم چمن زادوں نے ذہن اتنا رسا پایا نہیں
سیکڑوں خورشید پہنائے فلک میں ہیں جہاں
پست و بالا کی تمیز اس دیس میں ہے یا نہیں

(۱۳۲)

چشم بینا کو مکاں ہے شرح رمز لامکاں
جس طرح اپنی زمیں ہے رازدانِ آسماں
ذرہ ذرہ اڑ رہا ہے دوست کی منزل کی سمت
ہے نشان راہ رہرو کے لئے ریگِ رواں

(۱۳۳)

تو ضمیرِ کن فکاں تیرے سوا کوئی نہیں
تو نشانِ بے نشاں، تیرے سوا کوئی نہیں
زندگی کے راستے میں رکھ قدم بیباک تر
اس جہاں میں بے گماں، تیرے سوا کوئی نہیں

(۱۳۴)

یہ زمیں خاکِ درِ میخانہ ہے میرے لئے
آسماں اک گردشِ پیمانہ ہے میرے لئے
ہے کچھ اس درجہ دراز اپنی حدیث سوز و ساز
یہ جہاں دیباچۂ افسانہ ہے میرے لئے

(۱۳۵)

اب سکندر ہے نہ تخت و تاج کا ساماں رہا
نے خراجِ شہر و گنج و قریہ و ایواں رہا
بادشاہوں سے ہیں قومیں محکم و پائندہ تر
تو نے کیا دیکھا نہیں دارا گیا ایراں رہا

(۱۳۶)

تو نے دل کو چھین کر ویراں کیا سینہ میرا
ساعتوں میں کر دیا تاراج گنجینہ میرا
مجھ سے لے کر کس کو دی میری متاع آرزو؟
کیا کیا آخر وہ سوزِ عشقِ دیرینہ میرا؟

(۱۳۷)

کس طرح مجھ سے جہان رنگ و بو رخصت ہوا
وہ زمین و آسمان و چار سو رخصت ہوا
تیرے خلوت خانے سے اے دل وہ تنگ آ کر گیا
اس کے ہنگاموں سے یا گھبرا کے تو رخصت ہوا

(۱۳۸)

ساز کے پردے سے گو مجھ کو نہیں ہے آگہی
ہاں مگر واقف ہوں میں کیا ہے نوائے زندگی
گل نے پوچھا اک نئے آہنگ کا سن کر سرود
طائرِ بستاں سرا ! کس کی ہے یہ نغمہ گری

(۱۳۹)

نعرۂ مستانہ سے محفل کو دی سوز و تپش
کر دیا گل کو شرار زندگی سے بہرہ ور
دل کو میں نے عقل کی ضو سے منور کر دیا
عقل کو لایا دل دیوانہ کے معیار پر

(۱۴۰)

اپنے نغموں سے عجم کو پھر جواں میں نے کیا
اس کے سرمائے کو دنیا میں گراں میں نے کیا
راہ سے بھٹکا ہوا صحرا میں اک انبوہ تھا
اپنی آواز درا سے کارواں میں نے کیا

(۱۴۱)

ہو گیا ہے میرے نغمے سے عجم آتش بجاں
یہ مری آواز ہے بانگ درائے کارواں
نیز تر مانند عرفی ہے حدی خوانی میری
راستہ خوابیدہ و خاموش ہے محمل گراں

(۱۴۲)

بے قرار آرزو ہے میری جان تازہ کار
سینۂ مشرق میں رکھا میں نے آتشبار دل
ائی ہے میری تپش سے اس نے بجلی کی سرشت
شعلہ زارِ شوق ہے میری نوا سے اس کی گل

(۱۴۳)

ں نسیمِ صبح گاہی کی طرح ہوں بے قرار
دل مرا بستاں سرا میں مثلِ گل صد پارہ ہے
یکھنے سے جو نگہ ظاہر کو بھی قاصر رہے
رمزِ قدرت ہے، شہیدِ لذتِ نظارہ ہے

(۱۴۴)

قل اگر کرپاس کو چاہے تو زرینہ کرے
سنگ کو اپنے کمال فن سے آئینہ کرے
کھتی ہے لیکن نوائے شاعرِ جادو نگار
وہ اثر جو نیش کو مانندِ نوشینہ کرے

(۱۴۵)

ئی ہے آخر مری شاخ تمنا برگ و بار
زندگی کا راز میں نے کر دیا ہے آشکار
نباں سے تجھ کو ڈرنا چاہئے ناوک فگن
دی ہے میں نے اہل گلشن کو نوید نو بہار

(۱۴۶)

پھول چنتا ہے ارم کے باغ سے میرا خیال
جب کبھی مضمون نادر غیب سے اترا کوئی
میرے سینے میں مرا دل کانپ اٹھّا اس طرح
قطرۂ شبنم سے جیسے برگِ نورستہ کوئی

(۱۴۷)

جانتا ہوں میں عجم ہے بحر ناپیدا کنار
جس میں پوشیدہ ہیں کیا کیا گوہر الماس رنگ
کشتی رانی سے مگر کرتا ہوں میں یکسر گریز
ایسے دریا میں کہ ہو آغوش جس کی بے نہنگ

(۱۴۸)

تو کبھی کار جہاں کو مت سمجھ نااستوار
اپنا ہر پل ہے زمانے میں ابد سے ہمکنار
اپنا رشتہ حال سے مضبوط رکھ' فردا ابھی
پردے سے باہر نہیں لایا ضمیرِ روزگار

(۱۴۹)

ہاں' خداوندانِ مغرب سے کنارہ کش تو ہے
گور و گنبد کو مگر سجدہ روا رکھتا ہے تو
اس قدر تہذیبِ لاالائی کا گرویدہ ہوا
بت بنا کر سنگ کی پوجا روا رکھتا ہے تو

(۱۵۰)

پارہ پارہ زندگی کا تانا بانا تابکے؟
مثل موراں خاک میں تیرا ٹھکانا تابکے؟
سیکھ شاہینی' فلک کی وسعتوں پر راج کر
تو خس و خاشاک میں ڈھونڈے گا دانہ تابکے؟ 42

(۱۵۱)

درمیان لالہ و گل تو بنا لے آشیاں
سیکھ مرغانِ نوا پیرا سے انداز فغاں
ناتوانی سے ہو گر اندیشۂ پیری تجھے
لے جہان کہنہ سے درسِ شبابِ جاوداں

(۱۵۲)

جاں نے جب چاہا ہمارے تن کی صورت گر ہوئی
وہ ہوائے جلوہ پردازی سے دو پیکر ہوئی
شیوہ ہائے نو بنو اپنے جلو میں رکھتی ہے
بن گیا تن ایک شیوے کی وہ جب خوگر ہوئی

(۱۵۳)

اک لحد کی خاک سے آواز یہ میں نے سنی
زندگی زیرِ زمیں بھی خارج از امکاں نہیں
جس نے غیروں کی غلامی کی جہاں میں اختیار
سانس چلتی ہے مگر اس کے بدن میں جاں نہیں

(۱۵۴)

اپنی مشت خاک سے ہر گز نہ تو نومید ہو
دیکھنا آئینۂ ایّام میں مشکل نہیں
پیکرِ نو کی بنا رکھتی ہے فطرت تو اسے
منزل تکمیل تک پہنچانے سے غافل نہیں

(۱۵۵)

دیدنی فہمیدنی ہے یہ جہان رنگ و بو
چار سو بکھرے پڑے ہیں حسن کے منظر بھی دیکھ
گر خدائے عزّ و جل توفیق ارزانی کرے
تیری جاں میں جو نہاں ہے عالم دیگر بھی دیکھ

(۱۵۶)

تیرا دعویٰ ہے جہاں کی انتہا کوئی نہیں
میں ہوں لیکن جس کو کہتے ہیں خدا، کوئی نہیں

ناکشودہ ہے ابھی تو مجھ پہ یہ رازِ نہاں
دیکھتی ہے آنکھ جو کچھ وہ ہے یا کوئی نہیں

(۱۵۷)

میرے دستر خوان پر ہوتا نہیں مرغِ کباب
میرے ساغر میں نہیں ہے بادۂ آئینہ تاب

گو غذا ہے میرے آہو کی فقط برگ گیاہ
اس کا خونِ دل مہکتا ہے مثالِ مشکِ ناب

(۱۵۸)

میرا سوزِ دل رگِ مسلم کو گرماتا تو ہے
محشرِ جاں کو مرے اس نے نہیں جانا ابھی

اشک بیتاب اس کی آنکھوں میں نظر آتا تو ہے
پر جہاں کو میری نظروں سے نہیں دیکھا ابھی

(۱۵۹)

لامکاں کو ہم زباں سے کر نہیں سکتے بیاں
اندرونِ خود نگہ کر تب ہو یہ نکتہ عیاں

جسم میں رکھتی ہے جاں اپنا نشیمن اس طرح
کہہ نہیں سکتے کہاں ہے وہ، نہیں ہے وہ کہاں

(۱۶۰)

گاہ شیوہ سنگ کا ہے گاہ شیشے کا شعار
عشق ہر دل سے نمٹتا ہے بانداز دگر

خود سے بیگانہ کیا ہے دے کے چشمِ تر تجھے
مجھ کو اپنے آپ سے اس نے کیا نزدیک تر

(۱۶۱)

آب و گل کی قید سے نکلا نہیں ہے تو ابھی
تیرا کہنا ہے کہ میں رومی ہوں افغانی ہوں میں
میں ہوں اول آدم بے امتیاز رنگ و بو
بعد ازاں ہندی ہوں ایرانی ہوں تورانی ہوں میں

(۱۶۲)

میرے دل کو خوں کیا ذوق نوا پیرائی نے
اس غبارِ راہ کو یکسر شرر افشاں کیا
میں نے کھولی تھی زباں شرح محبت کے لئے
اور بھی گفتار نے اس راز کو پنہاں کیا

(۱۶۳)

اس نے عقلِ ذوفنوں سے کر لیا آخر گریز
عشق نے وہ غم دیا اس کو کہ دل خوں ہو گیا
پوچھتے ہو کیا تم اقبال فلک پیما کا حال
وہ حکیمِ نکتہ داں، کہتے ہیں، مجنوں ہو گیا

ارمغان حجاز

حضورِ حق

زہے راہی جو طلب گار نہ ہو ساماں کا
پند یاراں کی بھی جس کو نہ ہو کوئی پروا
کھول اس کے نفسِ گرم سے سینہ اپنا
اس کی اک آہ سے مر جائے غم صد سالہ

حضورِ حق

(۱)

بے دلوں کے دل پژمردہ کو تڑپا بھی گئے
روشنی شعلہ صفت دہر میں پھیلا بھی گئے
اک نگہ جانبِ عاماں بھی کہ خاصانِ جہاں
مدتیں گزریں کہ پی بھی گئے چھلکا بھی گئے

**

گفتگو کا رہی محور جو مری بود و نبود
میں خجالت سے نہیں کہہ سکا کیسا ہوں میں
سجدۂ زندہ دلاں کا تو شناسا ہے تو
اب مرے سجدے سے پہچان مجھے کیا ہوں میں

**

دل حیراں ہے مرا اور کشاد چوں و چند
اس کی پروازِ نگہ ہے مہ و پرویں سے بلند
ایسے کافر کو تو دوزخ کا کوئی ویرانہ
بخش دیجے کہ سدا کا ہے یہ تنہائی پسند

**

آب و گل میں مرے ہنگامہ بپا ہے کیسا
عشق سو طرح کی مشکل میں گھرا ہے کیسا
رحم کر مجھ پہ کہ اک لحظہ سکوں کا ہے محال
واسطہ دل سے مجھے آن پڑا ہے کیسا

**

آسمانوں کو زمینوں کو بنایا کس نے؟
حسن کا جلوۂ بے پردہ دکھایا کس نے؟
مجھے شیطاں سے حذر کرنے کو کہتا ہے جو تو
یہ بتا دے اسے پروان چڑھایا کس نے؟

(۲)

دل بے قید پریشاں ہے، نجانے کیا ہو
تو سزا دے کہ کرے لطف و عطا سے شاداں
میں تو ابلیس کے دل کو بھی نہیں دکھ دیتا
کرتا رہتا ہوں اسے اپنی خطا سے شاداں

**

اُمِّ عمرو میں تری دائیں طرف تھا لیکن
اپنی باری پہ بھی آیا نہ میسر پینا
دوست داری کا قرینہ جو یہی ہے تیرا
توڑ میخانے کی دیوار پہ جام و مینا

**

ہمہ اندوہ و الم ہیں دل شیدا کے اسیر
کارگر ان پہ نہ تدبیر ہے کوئی نہ علاج
مجھ سے اس حال میں سجدے کا طلبگار نہ ہو
کہ شہاں لیتے نہیں قریۂ ویراں سے خراج

**

راہ وہ چلتا ہوں جس کی کوئی منزل ہی نہیں
بیج وہ بوتا ہوں جس کا کوئی حاصل ہی نہیں
میں غموں سے نہیں ڈرتا ہوں مگر ایسا غم
دے نہ زنہار، مرے دل کے جو قابل ہی نہیں

**

نامناسب ہے ہر اک کو مئے کہنہ دینا
صرف ارباب ہمم کو مری صہبا دینا
دور، بہتر ہے، نیستاں سے رہے چنگاری
ناقصوں کو نہ کبھی بادۂ پختہ دینا

**

درد و سوز و غم و حرماں نہیں پایا جاتا
شعلہ شوق، فروزاں نہیں پایا جاتا
لامکاں سے اسی باعث تو گریزاں ہوں میں
نالۂ نیم شبی واں نہیں پایا جاتا

**

دہر کو میری نواؤں سے دگرگوں کر دے
صبح تازہ میں جگا ایک نئے عالم کو
اب مری خاک سے کر آدم دیگر پیدا
صحن گیتی سے اٹھا بندۂ بیش و کم کو

**

آج بھی تیرہ ہے خورشید کے باوصف جہاں
جسے زیبا یہاں کہتے ہیں وہ نازیبا ہے
جانے کب تک ابھی اس طرح کے صحرا کو تو
رنگ و نم کے لئے آدم کا لہو دیتا ہے

**

جستجو تیری رضا کی ہے ترے نوکر کو
راہ اطاعت کی نہ چھوڑوں گا کبھی دم بھر کو
لیکن اس بندۂ ناداں سے جو تو بھی چاہے
اسپ تازی نہ کہا جائے گا ہر گز خر کو

(۳)

نہ کفِ خاک مری نور صفا سے روشن
نہ مرا دل تپش و سوز دروں سے بیتاب
چھین لے مجھ سے تو یہ بھی ترا احساں ہو گا
اک گراں بار ہے بے ذوق نمازوں کا ثواب

**

قصۂ دین و وطن کیا ہے جہان نو میں
کھول کر کہہ نہیں سکتا میں اس افسانے کو
مجھ سے ناخوش نہ ہو، میں نے تری بے مہر روش
دیکھ کر پھر کیا تعمیر صنم خانے کو

**

دل مسلماں کا فرنگی کی اسیری میں ہے خوش
کوئی سمجھائے تو کس طرح اسے سمجھائے
وہ جبیں جس کو درِ غیر پہ گھستا ہوں میں
سجدۂ بوذر و سلمان کہاں سے لائے

**

اس جہاں کی ہے تمنّا نہ وہ دنیا چاہوں
رمز جاں مجھ کو جو مل جائے تو سب کچھ پاؤں
دے وہ سجدہ کہ سرور اور تپش سے جس کے
ایک دن وجد میں اس ارض و سما کو لاؤں

**

تجھ کو اس مردِ تن آساں سے توقع کیا ہے
ہو جدھر کی بھی ہوا مجھ کو ادھر لے جائے
صبحدم سجدے میں جاوید کو دیکھا اے کاش
یہ مری شام ضیا اس کی سحر سے پائے

**

تجھ سے اس قوم پہ رحمت کی دعا کرتا ہوں
جس کے کم مایہ فقیہوں میں نہیں ذوق یقیں
کتنے نادیدنی دیکھے ہیں مناظر میں نے
اس جہاں میں مری اے کاش نہ آنکھیں کھلتیں

**

تیری بے مہری سے مغموم رہے گی کب تک
نگہ لطف سے محروم رہے گی کب تک
عصر حاضر کے صنم خانے میں اولاد خلیل
یوں ہی نمرود کی محکوم رہے گی کب تک

**

نغمۂ سینہ گداز آئے نہ آئے کوئی
موجۂ بادِ حجاز آئے نہ آئے کوئی
زندگی ختم ہوئی، اب ہوا رخصت یہ فقیر
پھر کبھی محرمِ راز آئے نہ آئے کوئی

**

پھر اگر دہر میں آ جائے کوئی محرم راز
درد جو دل میں جگائے وہ نوا دے اس کو
پاک و تابندہ جو کر دیتا ہے قوموں کا ضمیر
نے نوازی کا وہ انداز سکھا دے اس کو

**

نارسا نالہ و فریاد ہے میری تقدیر
میرا سرمایہ دل مضطرب و درد آگیں
خاک مرقد پہ مری لالۂ تنہا خوشتر
جس کی فطرت ہے خموشی و نوائے خونیں

(۵)

دل ربائی سے نہ سوزِ غمِ دل سے واقف
نہ تڑپنے کا سلیقہ ہے نہ تڑپانے کا
روح کس خاک میں پھونکی ہے کہ اس کے نزدیک
زندگی نام ہے کھا پی کے گزر جانے کا

**

دل جسے کہہ سکیں وہ دل نہ رہا سینے میں
تہی داماں اسے معنی سے کیا ہے ہم نے
ہم سے وہ راندۂ درگاہ ہے خوشتر جس نے
حق کو دیکھا ہے مگر صرف سنا ہے ہم نے

**

کیا بتائیں گے فرشتے کہ محبت کیا ہے
جستجو میں جو ملا کرتی ہے لذّت کیا ہے
جاننا چاہے تو اس بندۂ بیچارہ سے پوچھ
کہ تمنا کی خلش کیا ہے حلاوت کیا ہے

**

میرا تن گھٹ گیا گردش کے سبب صورتِ ماہ
شبِ تاریک میں اک بزم سجا آیا میں
جب مگر تیرے تغافل کی چلی بات وہاں
اٹھ کے باخاطرِ افسردہ چلا آیا میں

**

لِ جبریل نہیں رنجیدہ کبھی تھا ایسا
آسماں نے نہیں دیکھا تھا زمانہ ایسا
ناں کافر تو ہے بت ساز، پجاری مومن
آج دنیا میں صنم خانہ بنایا ایسا

(۶)

بخش دے نالۂ رومی و فغانِ خسرو
بخش دے جذبہ و اخلاصِ سنائی مجھ کو
بندگی میں وہ مزہ ہے کہ میں زنہار نہ لوں
تو عطا کر دے اگر اپنی خدائی مجھ کو

(۷)

اب مسلمان ہے فاقہ زدہ و خرقہ پوش
اس کے احوال پہ جبریل بھی ہے محوِ خروش
آ کہ ہم اک نئی ملت کی بنا ڈالیں یہاں
کہ یہ ملت ہوئی دنیا کے لئے بارِ دوش

**

ایسی ملت جو کرے جادۂ دشوار پسند
تگ و دو کے لئے اہداف بنا لے اپنے
اک جہاں لے کے جو زنہار رضامند نہ ہو
دوش پر دونوں جہانوں کو اٹھا لے اپنے

**

لا الہ ذکر و عمل کار ہے، جس کا معیار
سینۂ شب میں جگائے جو سحر کے انوار
جس کی زد میں ہو وہ سورج کہ ہٹائے رہ سے
کر کے جاروب کشی کاہکشاؤں کا غبار

(۸)

آ گیا جن کے تسلّط میں جہاں، خس ہیں چند
جن کے محکوم ترے بندے ہیں، ناکس ہیں چند
کارگاہوں میں ہنرمندوں کا جلتا ہے لہو
لوٹتے ہیں جو مزے عیش کے کرگس ہیں چند

**

شیخ سے کہتا تھا اک فاقوں کا مارا شاگرد
آگہی رب کو نہیں کرب و الم سے میرے
مان لیتا ہوں کہ نزدیک رگ جاں سے ہے
ہاں مگر وہ نہیں نزدیک شکم سے میرے

(۹)

ہند میں پہلی سی وہ بات کہاں ہے یارب !
آسماں اور زمیں اور یہاں ہے یارب !
پانچ وقتوں کی نمازیں نہ طلب کر مجھ سے
کہ غلاموں کو صف آرائی گراں ہے یارب !

**

رامش و رنگ ہے مرغوبِ طبیعت ہم کو
خود فروشی میں عجب ملتی ہے لذت ہم کو
س قدر ست غلامی سے ہوئیں تن کی رگیں
ہے گراں بار یہ آئین و شریعت ہم کو

(۱۰)

لیا کہیں ہم کہ نہیں تیری نظر سے پنہاں
عرصۂ دہر میں کیا کر کے دکھایا ہم نے
اوداں صورتِ فردوس بنا دے یارب
ارضِ خاکی کو عجب طرح سجایا ہم نے

**

ہے واقف کے کہتے ہیں حیاتِ جاوید
تجھے لیکن نہیں معلوم کہ مرنا کیا ہے
دگی سے تری اک لمحہ نہیں کم ہو گا
جاوداں مجھ کو بنا دینے میں خدشہ کیا ہے

(۱۱)

عالمِ پیر جب انجام کو پہنچے یارب
اور ہر شخص کے اعمال کی کھل جائے کتاب
شرمساری سے بچانا مجھے آقا کے حضور
ان کی آنکھوں سے تو پوشیدہ رہے میرا حساب

**

جسم واماندہ ہے، سرگرم سفر ہے مری جاں
راہ میں جس کے ہے بطحا اسی وادی کی طرف
تو جو چاہے تو ٹھہر محفل خاصاں میں یہاں
لے چلا دل مجھے محبوب کی نگری کی طرف

حضورِ رسالتؐ

ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنیدؒ و بایزیدؒ ایں جا

(۱)

اٹھ کہ آواز جرس کوچ کا لائی ہے پیام
دیکھ خیموں سے مسافر نکل آئے ہیں تمام
عقل اس راہ میں کرتی نہیں محمل رانی
یہ سفر وہ ہے کہ رکھتے ہیں کف دل میں زمام

**

عرصۂ دہر میں جوہر ہے یگانہ دل کا
آتش شوق میں جلنا ہے تقاضا دل کا
قریہ و شہر کی آئی نہ ہوا راس مجھے
وا کیا بادِ بیاباں میں دریچہ دل کا

**

کس کے جلوے نے کیا ہے دل ناداں کو شہید
اس کی تقدیر ہے مضطر رہے' آزردہ رہے
اسے تسکین کی خاطر میں کہاں لے جاؤں
لبِ جو اشک فشاں' دشت میں افسردہ رہے

**

راحتیں چھوڑ کے نکلے جو بیابانوں میں
رہ نوردان تمنا کی حزیں جانوں میں
اس طرح شور اٹھا دیتی ہے آواز جرس
صبح دم جیسے نسیم آ کے نیستانوں میں

**

راہ یثرب کا مسافرہوں میں اس پیری میں
چل پڑا نغمہ سرا وادیٔ روشن کی طرف
جیسے صحرا میں سر شام پرندہ کوئی
اپنے پر کھول کے اڑتا ہے نشیمن کی طرف

(۲)

عشق و مستی کے گناہوں سے ہے دنیا جل تھل
عقل کے سارے دلائل ہیں نظر سے اوجھل
عالم وجد میں جب میں ہوا مائل بہ خروش
چھیڑی آہنگ حجازی میں عراقی کی غزل

**

کیا مقامات نوا ہیں جہاں پہنچا ہوں میں
میرے ساتھی بھی نہیں جانتے کس جا ہوں میں
ایسا کھویا گیا اس دشت کی رعنائی میں
کھول کر رختِ سفر زمزمہ پیرا ہوں میں

(۳)

صبحدم ناقہ سے میں نے کہا "آہستہ چل
اپنے راکب کی نقاہت کا تجھے دھیان نہیں"
جھوم کر رکھا قدم، کہتی ہے گویا مجھ سے
فرش مخمل کا ہے یہ ریت کا میدان نہیں

**

ساربان، تو ہی بتا، کیا اسے زیبا ہے مہار
رکھتی ہے جادہ و منزل کی بصیرت یہ بھی
دیکھ کر موج خرام اس کی یہ جانا میں نے
ہے اسیرِ دلِ محزوں مری صورت یہ بھی

**

اس کی آنکھوں سے بھی میری طرح آنسو ڈھلکے
میری بیتابیٔ دل اس کی فغاں سے جھلکے
جس کی تاثیر سے تابندہ ہوا میرا ضمیر
اس کی ہر *جِ نگہ سے وہی صہبا چھلکے

(۴)

اے خوشا دشت جہاں قافلوں والے شب و روز
پڑھتے جاتے ہیں بصد شوق سلام اور درود
اس لگن سے کہ جھلس کر ہو جبیں داغ تمام
دھوپ سے تپتی ہوئی ریت پہ ہو سر بسجود

**

شام بھی صبح کے مانند یہاں ہے خنداں
رات اس دشت کی کوتاہ ہے اور دن ہے بلند
راہرو اپنے قدم اور بھی آہستہ رکھ
اس کا ہر ذرہ غمِ عشق سے ہے بہرہ مند

(۵)

کون ہے یہ عجمی نغمہ سرا قافلے میں
اس کی لے ملک عرب کی تو نہیں لگتی ہے
لیکن اس طرح وہ کرتا ہے دلوں کو سیراب
زیست تپتے ہوئے صحرا میں حسیں لگتی ہے

**

عشق و مستی کا مقام اس کی تمنّا ہے کیا؟
تن خاکی میں نہاں آگ کا شعلہ ہے کیا؟
کون سا دل ہے جسے راس نہیں اس کی نوا
اس کے ہی دل کا ہر اک سینے میں ٹکڑا ہے کیا؟

(۶)

غم پنہاں کہ عیاں ہے مرے کہنے کے بغیر
لب پہ آ جائے تو اک قصۂ طولانی ہے
راہِ پر پیچ ہے اور خستہ و لاغر راہی
شمع خاموش ہے اور رات بہت بھاری ہے

**

نوبہار آئی گل لالہ کھلا صحرا میں
بزم خیمے میں مرے یاروں نے دی ہے ترتیب
خوشتر آیا مجھے اک گوشۂ تنہائی میں
بیٹھنا دامن کہسار میں چشمے کے قریب

(۷)

کبھی پڑھتا ہوں عراقی کبھی جامی کے شعر
جن کا پرتو ہے مری جاں کی درخشانی میں
گرچہ آہنگ عرب سے میں نہیں ہوں واقف
ساربان سے تو رفاقت ہے حدی خوانی میں

**

اور بھی راہ کے غم کو طرب آمیز کرے
اور بھی آہ و فغاں کو جنوں انگیز کرے
ساریاں دور کی جو راہ ہو اس راہ پہ چل
کہ مرا سوزِ فراق اور بھی وہ تیز کرے

(۸)

ہم نفس آ کہ ہیں فریاد سراپا دونوں
کشتۂ شانِ جمالِ شہِ طیبہ دونوں
ان کے قدموں میں بصد عجز ملیں آنکھوں کو
اور رو رو کے کریں عرض تمنّا دونوں

**

اہل حکمت کے لئے ہے نہ دبستاں کے لئے
حسن کا جلوۂ مستانہ ہے ناداں کے لئے
زیست اس کی ہے، نصیب اس کا زمانہ اس کا
در سلطاں ہے کھلا بے سرو ساماں کے لئے

**

میں وہاں ہوں کہ جہاں کوئی زماں ہے نہ مکاں
یہ وہ عالم ہے کہ اظہار سے قاصر ہے زبان
میں نے جب اور بلندی پہ پہنچنا چاہا
گر گئی گرد کی مانند مرے پر کی اڑان

**

زندگانی کو ہے اس وادیٔ رنگیں میں دوام
بے صور، معنی کے ہر سمت کھلے ہیں گلزار
دوش بر دوش یہاں پر ہیں کلیم اور حکیم
لن ترانی کی صدا سے نہیں واقف یہ دیار

(۹)

وہ مسلماں کہ فقیرانہ تھی شاہی جس کی
سینہ اس کا نہیں اب سوز دروں سے آگاہ
اس کا دل روتا ہے کیوں؟ اس کو نہیں ہے معلوم
اک نگہ سرور کونین، فقط ایک نگاہ

**

آئی ہے میری نوا میں ترے دم سے تاثیر
دل میں رکھتا ہے مرے حشر بپا غم تیرا
ہند میں یہ ہے مری گریہ و زاری کا سبب
ایک بندہ نہیں اس دیس میں محرم تیرا

**

ہے وہی ہندی مسلماں کی شبِ تیرہ جہاں
کبھی ہوتا نہیں سورج کی شعاعوں کا گزر
ہمیں مطلوب ہے آقا ! نگہ لطف و کرم
کوئی ہم سا نہیں مشرق میں زبون و ابتر

**

وہ مسلماں جسے گوہر میں یگانہ کہئے
جسے تخلیق کے ہر نقش سے اعلیٰ کہئے
اس کا اللہ ہی یاور ہو کہ اس نے خود کو
اس بلندی سے گرایا ہے کہ اب کیا کہئے

**

تجھ سے پوشیدہ نہیں ظاہر و باطن میرا
گر زباں میری نہیں رکھتی بیاں کا مقدور
دو صدی کی ہے یہ روداد کہ میرا دل زار
صورت کندۂ قصاب ہے زخموں سے چور

**

چرخِ نیلی ہے کہ ژولیدہ خرام اب بھی ہے
دور تر راہ نوردوں سے مقام اب بھی ہے
فکر میں ربط ہے کوئی نہ عمل میں تنظیم
یہ وہ ملت ہے کہ بے جہت و امام اب بھی ہے

**

بے تب و تاب ہے دل، خون ہے بے جان اس کا
کیا گل لالہ کھلے، کھیت ہے ویران اس کا
خالی رکھّی ہے نیام اور تہی ہے کیسہ
طاق پر اجڑے ہوئے گھر کے ہے قرآن اس کا

**

دل تو اس کا ہے مے و نغمہ و نکہت کا اسیر
آرزو سے وہ شناسا نہ تگ و تاز سے ہے
اسے معلوم نہیں کیا ہے عقابوں کی صفیر
کان مانوس فقط پشّے کی آواز سے ہے

**

ناکشادہ ہے درِ بارگہِ دل اس پر
کف خاک اس کی نہیں رکھتی خودی کا جوہر
بانگ تکبیر سے بے مایہ ہے دامانِ ضمیر
دل میں ہوتا ہی نہیں ذکر الٰہی کا گزر

**

جسے کچھ فکر رفو چاک گریباں کی نہ ہو
کس طرح دہر میں جینے کا سزاوار ہے وہ
اک مسلمان جو بیگانہ ہے اللہ ہو سے
سانس چلتی ہے مگر موت سے دوچار ہے وہ

**

اس کا حق اس کو عطا کر کہ ہے مسکین و اسیر
فقر و غیرت کی مگر دل میں کرن ہے اب بھی
در میخانہ کیا بند قضا نے اس پر
کشور ہند میں وہ تشنہ دہن ہے اب بھی

**

از سر نو اسے پاکیزہ و تابندہ بنا
شاد و آباد کر اس کا دل ویران و حزیں
اس کا پیراہن صد چاک ہے اور تیز ہوا
جھلملاتی ہوئی یہ شمع نہ بجھ جائے کہیں

**

اس کی خلوت سے گریزاں ہے عروس ہستی
نیستی کا ہے مکاں جس میں ہے وہ گوشہ گیر
موت سے پہلے گنہگار ہے زندہ درگور
اس کا منکر ہے صنم خانہ، کلیسا ہے نکیر

**

اس کی آنکھوں میں چمک ہے نہ سرور و مستی
دل جنوں خیز نہیں شورش پنہانی سے
ایسی امّت کا زمانے میں خدا یاور ہو
جس کے تن میں ہے تہی جان درخشانی سے

**

حیف ! فرزند مسلماں کا ہے نامحرم مرگ
مرگ کے خوف سے وہ کانپتا ہے تادم مرگ
سینۂ چاک میں دل کا نہیں ملتا ہے نشاں
جسم میں جان ہے سو وہ ہے مریض غم مرگ

**

شیشہ بازی ہے سراپا یہ ملوکانہ نظام
جس سے رومی سپر انداز، حجازی مجبور
اس توقع پہ کہ اب وقت نوازش کا ہے
غم رفیقوں کا بیاں کرتا ہوں میں تیرے حضور

**

اس کے پیکر کی اساس آج بھی مستحکم ہے
قوتیں اس کے بدن کی ہیں توانا ساری
دیکھ کر بولا مسلماں کو طبیب دانا
شدت ضعف سے رعشہ ہے خودی پر طاری

**

ہم خجل ہیں کہ نہ دیں باقی ہے نے فقر و غنا
ملک و پرچم ہے نہ ایوان و عساکر باقی
رفتہ رفتہ گئے سامان جہانبانی سب
اپنی میراث میں اک تن پہ ہے چادر باقی

**

قصۂ درد مسلماں کا بیاں کیا کیجے
کہ زمیں اس کی مخالف ہے فلک بیگانہ
تو نے جس مرغ کو انجیروں سے پالا ہے' اسے
سخت دشوار ہے صحرا میں تلاش دانہ

**

آشکار اس کی نگاہوں پہ کیا راز حیات
دیا ہر نکتۂ تاریخ امم کا ادراک
زندگانی کے رموز اور نمایاں کر دوں
بخش دے نطق عرب گو عجمی ہے مری خاک

**

وہی شاہانہ ضمیر اب بھی مسلماں کا ہے
گرچہ وہ خیل و عساکر ہیں نہ وہ مال و منال
اسے پہلا سا مقام اب جو عطا ہو جائے
پھر جمال اس کا دکھائے گا وہی شان جلال

**

شیخ کا اب بھی ہے سرمایہ اساطیر کہن
کہ سخن اس کا ہے یکسر ظن و تخمین و خیال
اس کے اسلام کی تصویر ہے زنّار بدوش
دیر کی طرح ہے مسجد' وہ برہمن کی مثال

**

ہے دگرگوں یہ جہاں شیوۂ لادینی سے
جان کو کہتے ہیں یہ جسم کے آثار سے ہے
شور اٹھا دل میں مسلماں کو عطا کر کے فقر
خاص نسبت جسے صدیقؓ کے کردار سے ہے

**

اب صنم خانے سے لیتا ہے حرم رنگ و بو
پیشوا آپ ہے بیچارہ پراگندہ مو
ہم سیہ بختوں میں کوئی بھی نہیں ہے ایسا
شوق کی ضو سے ہو روشن دل و تابندہ رو

**

جا کے مسجد میں جو ہوتے تھے صف آرا وہ فقیر
پھاڑ دیتے تھے گریبان شہنشاہوں کے
جب ہوئی سرد مسلمانوں کے سینے کی آگ
جا چھپے حجرۂ خلوت میں وہ درگاہوں کے

**

جنگ اپنوں سے مسلمان بپا رکھتے ہیں
ثبت اک نقش دوئی دل میں سدا رکھتے ہیں
چیخ اٹھتے ہیں گر اک اینٹ اٹھا لے کوئی
کسی مسجد سے کہ ویران بنا رکھتے ہیں

**

ناصیہ سائی میں خوش ہیں در غیر اللہ پر
ان کے ہی زمزمہ خواں صورت گبراں ہیں ہم
شکوہ اوروں سے نہیں آپ سے ہم ہیں نالاں
کیسے کہہ دیں کہ تری شان کے شایاں ہیں ہم

**

کیسی محفل ہے کہ ساقی کو میسّر ہے فراغ
ہاتھ میں بادہ گساروں کے رہے خالی ایاغ
میں نے اس آہ کو سینے میں رکھا ہے محفوظ
اصل جس آہ کی لاریب ہے وہ دود چراغ

**

خانقاہوں کے سبو خالی ہیں نایاب ہے مے
مکتبوں میں رہ طے کردہ کو کرتے ہیں طے
بہت افسردہ میں بزم شعراء سے اٹھّا
ان کی نے سے جو نکلتی ہے نوا مردہ ہے

**

دل لگایا نہیں اس عالم آب و گل سے
زیست دوچار رہی مرحلۂ مشکل سے
میں مسلماں ہوں مصائب سے نہیں خوفزدہ
ہر نفس برسر پیکار رہا باطل سے

**

آزمایا ترے بخشے ہوئے بال و پر کو
سوز نغمہ سے دل و جاں کو جلایا میں نے
وہ جسے دیکھ کے ہو موت پہ لرزہ طاری
دہر میں ایسا مسلماں نہیں پایا میں نے

**

رات رو رو کے کیا میں نے خدا سے شکوہ
کہ مسلمان ہیں اس دور میں کیوں خوار و حزیں
آئی آواز کہ دل رکھتی ہے یہ قوم مگر
تجھے معلوم ہے اس کا کوئی محبوب نہیں

**

کیا بتاؤں تجھے وہ شان مسلماں کہ جو تھی
وہ حکومت وہ فرو فال فراواں کہ جو تھی
دو صدی کی ہے یہ روداد کہ بجھتے بجھتے
بجھ گئی سینے میں وہ شمع فروزاں کہ جو تھی

**

اب نگہبان حرم دیر کا معمار ہوا
آنکھ دریوزہ گر غیر ہے، مردہ ہے یقیں
دل کے احوال کا غمّاز ہے انداز نگاہ
اسے کچھ خیر کے اسباب سے امّید نہیں

**

اب عطا کر دے مسلماں کو ضمیر روشن
کہ جو ہو سوز سے اس خاک نشیں کے پیدا
دل کو امید سے رخشندہ و پایندہ کر
یہ ضیا وہ ہے کہ ہوتی ہے یقیں سے پیدا

**

کبھی گرتا کبھی اٹھتا ہوں میں دیوانہ وار
میری کس درجہ کی خوں ریزی ہے بے تیغ و تفنگ
برسر بام تری اک نگہ لطف و کرم
عصر حاضر کے خداؤں سے ہوں میں برسر جنگ

**

خلوت و زاری ہے خوشتر سفر یثرب میں
مجھے کب قافلہ و بانگ درا خوشتر ہے
کہاں مکتب کہاں میخانۂ شوق و مستی
تو ہی کہہ دے کہ مرے واسطے کیا خوشتر ہے

**

اس کے فیضان کی برسات ہے دمساز مری
کیسی پرکیف فضاؤں میں ہے پرواز مری
حرم پاک مرے قلب میں اترا جب سے
بات اس کی ہے، سخن اس کا ہے، آواز مری

**

نہ مرے نخل کے خرما کا مزہ ہی چکھا
نہ مرے رمز سخن کو کسی عنواں سمجھے
تجھ سے اے میر امم داد کا طالب ہوں میں
میرے احباب مجھے ایک غزل خواں سمجھے

**

شعر گوئی کا مجھے شوق نہیں ہے کوئی
عقدۂ رشتۂ معنی کو میں سلجھاتا ہوں
اس توقع پہ کہ اکسیر ہے داروئے عشق
ان غریبوں کے مس خام کو چمکاتا ہوں

**

تو یہ کہتا ہے کہ ان مردہ ضمیروں سے کہو
رمز جاں کیا ہے' کسے کہتے ہیں اسلوب حیات
مجھ سے فرمائشیں کرتے ہیں یہ ناحق اندیش
کہ فلاں اور فلاں کی کہو تاریخ وفات

**

زرد چہرے سے عیاں ہے مرا درد پنہاں
اشکبار آنکھیں ہیں' دل خون ہوا ہے میرا
غم کی روداد بیاں کرنے سے قاصر ہے زباں
حال لیکن تجھے معلوم ہے کیا ہے میرا

**

درد مندوں کی عجب ریت ہے چپ چپ رہنا
ہر نفس سختیٔ غم جان حزیں پر سہنا
کھولنا اپنے لبوں کو ہے محبت میں گناہ
کچھ جو کہنا تو نگاہوں کی زباں سے کہنا

**

میں نے نامحرم و ناداں کو خود آگاہی دی
پیکر خاک کو سیراب کیا زمزم سے
مجھ کو دے نالۂ دیگر کہ اثر سے جس کے
کوئی غم اس کو نہ غافل کرے دیں کے غم سے

**

اپنے سینے میں رہا کیا ہے بجز دود نفس
بے کسوں کی جو سنے تیرے سوا کوئی نہیں
اور کس سے کہیں افسانۂ اندوہ و الم
کہ دلوں میں جو بسے تیرے سوا کوئی نہیں

**

دردمندی و غریبی پہ نگہ کر اس کی
جو سدا نغمۂ پرسوز کے شعلوں میں جلے
تجھے معلوم ہے خواہاں ہے وہ ایسے دل کا
بے نیازی سے دو عالم کو جو ٹھکرا کے چلے

**

تو وہ سورج ہے مری نشوونما ہے جس سے
طالب باد صبا میرا نم و رنگ نہیں
ماہ و پرویں سے بھی اونچی ہیں نگاہیں میری
طبع یاراں سے سخن میرا ہم آہنگ نہیں

**

عشق دریا ہے کہ جس کا نہیں ساحل کوئی
رہ نما کون ہے اس رہ میں بجز دل کوئی
تو نے فرمایا تو بطحا کی طرف جاتا ہوں
ورنہ تیرے سوا میری نہیں منزل کوئی

**

میں ہوں مشتاق حضوری مجھے در سے نہ اٹھا
چین اک پل نہیں دل کو کسی صورت کسی رنگ
تیرا ہر حکم بجا لانے کو تیار ہوں میں
بجز اک صبر کہ وہ دور ہے دو صد فرسنگ

**

عشوہ ہائے بت افرنگ کا دیوانہ تھا
دیر کے حسن فسوں ساز کا پروانہ تھا
دیکھ لیتا جو کبھی خود کو نہ پہچانتا میں
اس قدر اپنی ہی ہستی سے میں بیگانہ تھا

**

ایک جرعہ جو پیا میکدۂ مغرب سے
اپنی جاں کے لئے آزار خریدا میں نے
کبھی بیٹھا تھا نکویان فرنگی کے پاس
اس سے بے سوز تر اک دن نہیں دیکھا میں نے

**

ہاتھ پھیلاتا ہے اک تیرے ہی در پر یہ فقیر
چاک کر دے دل کہسار کو میرا پر کاہ
درد سر ہی مجھے دیتا ہے حکیموں کا درس
کہ میری ذات ہے پروردۂ فیضان نگاہ

**

ربط ملاّ سے نہ صوفی سے سروکار مجھے
اپنی تصویر میں یہ رنگ نہ وہ رنگ بھروں
لوح دل پر مرے کر دے رقم "اللہ" کہ میں
خود کو بھی دیکھ لوں اور اس کا بھی دیدار کروں

**

دل ملاّ کو خبر کیا ہے کسے کہتے ہیں غم
آنکھ بینائی تو رکھتی ہے، نہیں ہے پرنم
مدرسے سے اسی باعث تو گریزاں ہوں میں
اس کے صحرائے حجازی میں نہیں ہے زمزم

**

نیش آسا ہے خطابت سر منبر اس کی
چند پڑھ لی ہیں کتابیں تو بہت نازاں ہے
کیا کہوں تجھ سے، خجالت ہے مری دامن گیر
مجھ سے پنہاں نہیں وہ خود سے مگر پنہاں ہے

**

کون ہے شارح اخلاص و وفا، وہ یا میں
کون ہے نغمہ گر صدق و صفا، وہ یا میں
کیش دیں کے یہی دو تیر ہیں، میں اور ملاّ
کون سا تیر نشانے پہ لگا، وہ یا میں

**

اپنی مشکل کا بیاں، تو ہی بتا، کس سے کروں
اجنبی اپنوں کی محفل میں بھی رہتا ہوں میں
آشکارا نہ مرا راز نہاں ہو جائے
اپنا غم اپنے ہی دل سے نہیں کہتا ہوں میں

**

میں اٹھاتا نہیں زنہار کسی کا احساں
اپنی مشکل کی گرہ آپ ہی سلجھاتا ہوں
تکیہ اک بار کیا میں نے جو غیر اللہ پر
خود کو سو بار بلندی سے گرا پاتا ہوں

**

وہی بیتابی وہی جوش جنوں ہے اب بھی
وہی ہنگامہ وہی سوز دروں ہے اب بھی
گزرے طوفان کی شورش سے نہ آسودہ ہوئی
موج گوہر سے مری دور سکوں ہے اب بھی

**

ابھی اس پیکرِ خاکی میں شرر رکھتا ہوں
اپنے سینے میں ابھی آہ سحر رکھتا ہوں
سامنے آ کے مجھے جلوہ دکھا دے اپنا
ایسی پیری میں بھی میں تاب نظر رکھتا ہوں

**

بے نیازانہ مظاہر سے گزرتی ہے نگاہ
کر دیا سوز محبت نے مرے دل کو گداز
سوز و اخلاص سے بے مایہ ملا عصر مجھے
جانے اس شکل میں پوشیدہ ہے کیا نکتۂ راز

**

میں ہوں اور سوز سے بیگانہ زمانہ ہے مرا
دل مضطر تن خاکی میں تڑپتا ہے مرا
زندگانی ہے کہ ریشم کا گلے میں پھندا
تختۂ دار پہ ہر لحہ گزرتا ہے مرا

**

لالہ و گل نے مرا رنگ نہ خوشبو پائی
مر گئی سینے کے اندر ہی تمنّا میری
غم پنہاں کو سمو بھی دوں اگر لفظوں میں
کیا کہوں کس سے کہوں، کون سنے گا میری

**

محرم راز رفاقت نہیں ملتی کوئی
عالم مشرق و مغرب میں اکیلا ہوں میں
قصۂ درد سناتا ہوں میں اپنے دل کو
خوب دھوکا ہے کہ تنہائی کو دیتا ہوں میں

**

علم حاضر کے طلسمات کو میں نے توڑا
لے اڑا دانہ' کیا دام کو پارہ پارہ
میں براہیم کے مانند' خدا شاہد ہے
آگ میں کود پڑا بے خطر و بے پروا

**

آنکھ کو دے کے نگہ وا کئے منظر تو نے
!! الہ سے کیا روشن مرا پیکر تو نے
"من رآنی" کی سحر سے مجھے کر دے دوچار
چاندنی سے مری شب کی ہے منوّر تو نے

**

اپنی آغوش میں جب خود کو سمیٹا میں نے
اپنا رتبہ ترے انوار میں دیکھا میں نے
اس صنم خانے میں اک آہ سحر گاہی سے
عشق و مستی کا جہاں کر دیا پیدا میں نے

**

یہ جہاں وہ ہے کہ رکھتا ہے بہشت خرّم
شاخ میں جس کی مرے اشک رواں سے نم ہے
ہا و ہو سے نہیں گونجی ہیں فضائیں اب تک
اس کی تقدیر ابھی منتظر آدم ہے

**

اک جواں اس کو عطا کر کہ ہو پاکیزہ سرشت
جس کی مے اپنی، سرور اپنا، جنوں اپنا ہو
جس کے بازو ہوں قوی بازوئے حیدر کی طرح
بے نیازی سے دوگیتی کو جو ٹھکراتا ہو

**

ساقیا ! لا ذرا گردش میں وہی ساغر مے
کیف مے اور بھی سوزندہ کرے سوزِ نے
پھر وہی دل مرے سینے میں عطا ہو جائے
بے خطر توڑ دوں میں پنجۂ کاؤس و کے

**

مست و سرشار ہے تیری مئے دیرینہ سے
کہ جہاں عشق سے ہے عشق ترے سینے سے
مجھے جبریل کے بارے میں ہے اتنا معلوم
اس کی تابش ہے فقط تیرے ہی آئینے سے

**

فیض ہے تیرے ہی دم کا یہ مرا سوز نے
تیرے زمزم سے مری تاک میں ہے موج مے
ملک جمشید خجل ہے مری درویشی سے
کہ مرے سینے میں جو دل ہے ترا محرم ہے

**

دل صنم خانۂ عالم میں نہ الجھا میرا
نہ رہا پر وہ مقام اور وہ رتبہ میرا
دہر میں آج طلب کرتا ہے سجدہ مجھ سے
وہ خداوند کہ محکوم رہا تھا میرا

**

گل لالہ کہ میرے پیکر خاکی میں کھلا
خون جس کا مرے پہلو سے ٹپکتا ہے سدا
یہ تمنا ہے کہ ہو تیری نظر میں مقبول
کہ تری نذر کو کچھ بھی نہیں اک دل کے سوا

**

آگ میں عشق جنوں خیز کے میں تڑپا بھی
آتشیں نغموں سے دل قوم کا تڑپایا بھی
اس جہاں میں یوں ہی تڑپانے تڑپنے کے بعد
میری قسمت میں ہے اک روز چلے جانا بھی

**

واسطہ تجھ کو مری فطرت رندانہ کا
مرے سوز و تب و تاب دل دیوانہ کا
کر دے اس خاک کو سیراب کہ آغوش میں لے
دانہ دانہ مرے دامان فقیرانہ کا

**

دل ہتھیلی پہ ہے دلبر نہیں ملتا کوئی
میری دولت کو نہیں لوٹنے والا کوئی
جلوہ افروز نہاں خانۂ دل میں ہو مرے
کہ مسلماں نہیں مجھ جیسا اکیلا کوئی

**

فیض رومی ہے اذاں میری ترانہ میرا
رمز جاں کہنا بہ انداز یگانہ میرا
فتنۂ عصر کہن کا تھا زمانہ اس کا
فتنۂ عصر رواں کا ہے زمانہ میرا

**

کر مری خاک سے اک تازہ گلستاں پیدا
خون لالہ میں ملا میرا نم دیدۂ تر
تیغ حیدرؓ کے میں لائق جو نہیں ہوں تو مجھے
نگہ تیز ملے صورت تیغ حیدرؓ

**

خود سے نومید ہے وہ اور سمندر سے خجل
محو آرام ہے ساحل پہ مسلماں کب سے
جسم میں اس کے نہاں زخم ہیں کیسے کیسے
مجھے معلوم ہے لیکن نہیں کہتا سب سے

**

نکہت یار کی آمد کا دیا کس نے پیام
موسم گل کی نئی آس بندھائی کس نے
بجھ گیا اس کے شب و روز سے جب سوز کہن
آگ پھر اس کے نیستاں میں لگائی کس نے

**

میرے دریا کو عطا کر گہر رخشاں اور
میری کرنوں سے ہوں کہسار و دمن تاباں اور
تو نے طوفاں جو دیا اس سے مرا دل نہ کھلا
شور اٹھانے کے لئے دے مجھے اک طوفان اور

**

نے نوازی کی روش محفل یاراں میں دیکھ
خود گدازی مری تنہائی کے داماں میں دیکھ
سیم و زر کی ہے تمنا نہ غرض سلطاں سے
درجۂ فقر مرا فقرِ نیاگاں میں دیکھ

**

صورت حال کوئی ہو میں نوا سنج رہا
زمزمہ خوان رخ معنیٔ مکتوم ہوا
ایسی بے چینی کو کیا کہئے کہ محبوب کے پاس
ابھی موجود ہوا میں ابھی معدوم ہوا

**

صورت لالہ کڑی میں نے اٹھائی تنہا
چہرۂ زیست سے کی پردہ کشائی تنہا
نکتۂ شوق کہا میں نے نہ جانے کس سے
میں بھی تنہا تھا مری نغمہ سرائی تنہا

**

نور سے تیرے نگہ اپنی منوّر کر کے
چاہتا ہوں کہ مہ و مہر کے دیکھوں اسرار
خود کو کہتا ہوں مسلماں تو لرز جاتا ہوں
لا الہ کہنا تو آساں ہے نبھانا دشوار

**

تیرے کوچے میں نوائے غم و آلام ہے بس
مجھے آغاز یہی اور یہی انجام ہے بس
میں ہوں اس رند کی جرات کا ثنا خواں جس نے
کہا رب سے "مجھے پیغمبرؐ اسلام ہے بس"

(۱۲)

شوق نے مجھ کو سکھایا ہے وہ انداز فغاں
سینہ سنگ سے میں چاہوں تو نہریں ہوں رواں
رنگ و بو پائے ترے عشق سے جاوید کہ اب
اس ضعیفی میں یہی ہے مرے دل کا ارماں

**

شوخ و عیّار ہیں کس درجہ بتان افرنگ
جنہیں آتا ہے بدن چاند بنائے رکھنا
ہے بہت گرم لہو میرا جوان سادہ
اسے جادو بھری آنکھوں سے بچائے رکھنا

**

کتنی پستی میں گرے آج مسلماں ہیں مگر
دام اغیار میں دل کو نہ بنایا نخچیر
اسی آتش سے کہ جس سے ہے مری جاں روشن
مری ملت کے جوانوں کو عطا کر تقدیر

(۱۳)

تو بھی پی کر تو ذرا دیکھ مئے ساغر دوست
فیض سے جس کے ابد تک رہے اندر برِ دوست
سچ تو یہ ہے کہ یہ سجدہ نہیں اے ابن سعود
صاف مژگاں سے کیا کرتا ہوں خاک درِ دوست

**

تو ہے سلطان حجازی میں ہوں بیچارہ فقیر
کشور معنی و مفہوم میں لیکن ہوں امیر
لا الہ سے ہے کیا میں نے جو عالم تخلیق
دیکھنا ہو جسے دیکھے مری آغوش ضمیر

**

درد دل کا مرے ہر گز نہیں درماں کوئی
میں زبوں حال سہی مضمحل و پیر سہی
کتنے ناوک ہیں کہ اب بھی ہیں کماں میں میری
ترکش قوم سے افتادہ میں اک تیر سہی

**

آ کہ اک بار زمانے میں بہم رقص کریں
آ کہ دنیا سے نظر پھیر کے ہم رقص کریں
کوچۂ دوست ہو، ہم ہوں، مئے دیرینہ ہو
اشک آنکھوں سے رواں ہو، ہمہ دم رقص کریں

**

ہے ترا اس طرب انگیز بیاباں میں مقام
صبح کی طرح جہاں شام ہے آئینہ فام
نصب کر خیمہ جہاں چاہے ترا دل لیکن
مانگ کر لینا طناب اور سے ہے تجھ کو حرام

**

میں مسلماں ہوں زماں اور مکاں سے آزاد
میری نظروں میں نہ افلاک کی وسعت کیا ہے
میرا اک سجدہ وہ سجدہ ہے کہ میں جانتا ہوں
ہر خداوند کی کیا قدر ہے قیمت کیا ہے

**

اس کا پیمان ہے اک دانۂ جو سے ارزاں
اپنے دل کو بت افرنگ سے بیگانہ رکھ
چشم فاروقؓ سے اک لے کے نگاہ بیباک
عالم نو میں قدم رکھ تو حریفانہ رکھ

حضورِ ملت

فلسفہ سے ہے مرا رنگ سخن بیگانہ
عشق و مستی ہے تقاضائے دل دیوانہ
باغ میں دیدۂ پرنم سے ہے شبنم کی طرح
لالہ گوں اشک فشانی مری دانہ دانہ

(۱)

حضورِ ملت

اپنی منزل کو رواں ہو مہ نو کی مانند
اور پہنائے فضا میں ہو فزوں تر ہر پل
رتبہ اس دیر میں چاہے تو لگا دل حق سے
راہ جو احمدؐ مرسل کی ہے اس راہ پہ چل

**

مثل موج اپنے سمندر سے نمایاں ہوں میں
اپنی ضو سے صفت گوہر تاباں ہوں میں
سر گراں اس لئے ہیں عصر رواں کے نمرود
بہر تعمیر حرم دہر میں کوشاں ہوں میں

**

ساقیا دور میں وہ ساغر صہبا لانا
جو مرے دل کو دوگیتی سے کرے بیگانہ
فاش اک رند پہ قدرت نے حقیقت کو کیا
دین کے رمز کو ملّا نے نہیں پہچانا

**

آنکھ روتی ہے لہو' دل ہمہ درد و غم ہے
پردہ اپنے رخ زیبا سے اٹھا دے ساقی
ہاں اسی لے میں کہ شرقی ہے نہ غربی ہے وہ
نغمۂ "لا تحف" اک بار سنا دے ساقی

**

تا کبے دل میں نہاں رکھے گا تکبیر اپنی
آزما کالبد خاک پہ اکسیر اپنی
ڈھونڈ لے اپنی خودی اور خوش و خرم رہ
غیر کے ہاتھ میں ہر گز نہ دے تقدیر اپنی

**

تجھے لاریب بناتی ہے خودی مرد تمام
گر تری خاک میں مردہ ہے خودی' تو ہے غلام
تیرا سرمایہ زمانے میں تری ہستی ہے
دیکھنا اپنے سوا اور کو ہے تجھ پہ حرام

**

منکشف جن پہ خود آگاہی کے اسرار ہوئے
بن کے ہر بحر میں گوہر وہ نمودار ہوئے
لر اس دہر میں مسلم ہیں گریزاں خود سے
موت کو ڈھونڈ کے آپ اس کے خریدار ہوئے

**

وئے تقدیر سے پردے کو ہٹاتا ہوں میں
چھوڑ نومیدی کو' چل راہ پہ پیغمبرؐ کی
ری باتوں پہ یقیں تو نہیں کرتا ہے تو جا
دین سے بھاگ تجھے موت ملے کافر کی

**

ر دروازوں کو ترکوں کے لئے باز کیا
مصر والوں پہ عزیمت کا عیاں راز کیا
بھی پہچان خودی کو کہ کبھی اس کے بغیر
ملک و دیں سے نہ کسی کو بھی سر افراز کیا

**

جب کسی قوم کا تاراج خزاں ہو گلشن
نکہت رفتہ کی یادوں میں وہ رہتی ہے مگن
خاک سے اس کی گل لالہ نمو پاتا ہے
رکھتا ہے رنگ پریدہ وہ مگر پیراہن

**

آپ جو قوم رقم کرتی ہے تقدیر اپنی
سربلندی اسے اللہ عطا کرتا ہے
سروکار اس سے وہ رکھتا نہیں جس کا دہقاں
فصل اوروں کے لئے کاشت کیا کرتا ہے

**

سیکھ رازی سے بصد شوق رموز قرآں
دیپ سے دیپ جلانے کا چلن اچھا ہے
مگر اک نکتہ میں کہتا ہوں تجھے یاد رہے
سوز و مستی نہ ہو جینے میں تو جینا کیا ہے

(۲)

خودی

لا الہ سے کیا جس نے بھی خودی کو محکم
خاک مردہ کو نگہ دیتا ہے بیباک و بلند
ہاتھ سے جائے نہ اس مرد خدا کا دامن
ڈالتا ہے مہ و خورشید فلک پر جو کمند

**

**

تو بھی اے مسلم ناداں ہو خودی سے آگاہ
ڈھونڈ خود مثل نیاگان کہن اپنی راہ
کس طرح کھلتا ہے مومن پہ حقیقت کا راز
لا الہ میں ہے نہاں معرفت الا اللہ

**

تجھے معلوم نہیں آتش پنہاں کیا ہے
سوز دل کیا ہے، تب و تاب مسلماں کیا ہے
تو نے سینچا ہے خیابان خودی کو لیکن
ایسے دریا سے جو واقف نہیں طوفاں کیا ہے

(۳)

اناالحق

فتہ دار ہے دعویٰ اناالحق کی سزا
کہ یہ رتبہ ہے فقط داور بے ہمتا کا
رزنش فرد کی لاریب ہے بہتر لیکن
قوم کرتی ہے یہ دعویٰ تو نہیں نازیبا

**

س اس قوم کو آتا ہے اناالحق کہنا
رنگ گلہائے چمن جس کے لہو سے پائیں
ں کی سطوت میں نہاں رحمت بے پایاں ہو
جس کی تعظیم کو افلاک کے سر جھک جائیں

**

**

امّتوں میں اسے ملتا ہے فضیلت کا مقام
اسی امّت کو بناتے ہیں دوگیتی کا امام
آفرینش کے عمل میں ہے جو ہر دم سرگرم
جس پر اک لحظہ بھی ہے خستگی و خواب حرام

**

اس کی ہستی ہے تب و تاب دروں سے شعلہ
خس کی مانند سمجھتی ہے وہ دنیا کو حقیر
اس کی ہمت ہے کہ کرتی ہے اناالحق کی شرح
اس کے ہر "کن" کے لئے ہے "فیکوں" بے تاخیر

**

ہر گھڑی شاخ نشیمن پہ نظر رکھتی ہے
گرچہ پرواز فلک پر ہے یگانہ اس کی
کہکشاں کے مہ و انجم ہیں گرفتار کمند
بندگی کرتی ہے تقدیر زمانہ اس کی

**

باغ میں صورت بلبل ہے نوا پیرائی
دشت و کہسار میں شاہیں کی طرح دارو گیر
اس کا منعم ہے تو رکھتا ہے فقیرانہ طریق
بے نوا ہے تو فقیری میں بھی رہتا ہے امیر

**

ساغر نو کو مئے کہنہ سے کر کے لبریز
اپنی ضو ریزیوں سے کوچہ و ایواں کو نکھا
شاخ منصور سے خواہش جو ثمر کی ہے تجھے
"کوئی غالب بجز اللہ نہیں" دل میں اتا

(۴)

صوفی و ملّا

ترش روئی میں اگرچہ نہیں ملّا کا جواب
مغز اور پوست کی پہچان وہ رکھتا بھی نہیں
دیکھ کر میرے اس انداز مسلمانی کو
مجھے کعبہ سے نکالے تو یہ بیجا بھی نہیں

**

دام افرنگ میں ہیں صید زبوں کعبہ و دیر
خانقاہوں سے تو آتی ہے صدائے "لا غیر"

اور ملّا سے بیاں کی جو حکایت میں نے
کی دعا "داور محشر کرے انجام بخیر"

**

زندگی صوفی و ملّا کے قفس میں ہے اسیر
تجھ پہ کس طرح عیاں حکمت قرآں ہو جائے
اس کی آیات سے کام اس کے سوا کیا ہے تجھے
مرحلہ موت کا "یٰسین" سے آساں ہو جائے

**

دیکھ قرآن کے آئینے میں صورت اپنی
کیوں دگرگوں رہے تو خود سے بغاوت کر دے
اپنے کردار کو تو آپ ترازو میں تول
پھر بپا دہر میں پہلی سی قیامت کر دے

**

بصد اخلاص و ادب صوفی و ملّا کو سلام
کہ سناتے ہیں وہ دنیا کو پیام قرآن
ان کی تاویل نے لیکن، میں حقیقت کہہ دوں
کر دیا احمدؐ و جبریل و خدا کو حیران

**

ذکر دوزخ کا کیا واعظ کافر گر نے
سن کے اک کافر خوش طبع نے برجستہ کہا
خوگر طوق غلامی کو نہیں اپنی خبر
کہ بتاتا ہے جہنم کو مقام اوروں کا

**

بات تھی تلخ مگر مظہر فہم و ادراک
پیر سے کہنے لگا ایک مرید بے باک
نامکمل اجل اس شخص کی جاں کو ہے محیط
بیچ کر کھائے جو اجداد کی قبروں کی خاک

**

یوں مخاطب ہوا فرزند سے اک خرقہ باز
بات اک راز کی ہے، یاد رکھ اے جان پدر
بے تعلق نہ رہ اس دور کے نمرودوں سے
ان کے فیضان رفاقت سے براہیمی کر

(۵)

رومی

بادۂ کہنہ کو پھر پی کے جنوں ساماں ہو
جس کے اک جام سے پرویز کا ملک ارزاں ہو
شعر رومی کو بنا جادۂ ہستی کا رفیق
دل کے میخانے کی دیوار سے آویزاں ہو

مست و سرشار ہو اس کی مئے لالہ گوں سے
سنگ کو اس کا اثر لعل بنا دیتا ہے
شیر کا قلب غزالوں کو عطا کرتا ہے
داغ سب پشت سے چیتے کی مٹا دیتا ہے

**

میری ہستی کو تب و تاب ملی ہے اس سے
اس کے کوکب سے ہے شب روز درخشاں جیسے
دیکھ اس طرح بیابان حرم میں ہے غزال
شیر جنگل میں کوئی خرم و خنداں جیسے

**

سچ تو یہ ہے کہ اسے سوز محبت ایسا
راس آیا کہ زباں دان جدائی ہے وصال
گو سراپا ہے جمال اپنی طبیعت میں عشق
نے نوازی اسے دیتی ہے خدائی کا جلال

**

میرے بگڑے ہوئے کاموں کو سنوارا اس نے
کیمیا خاک کے ذرے کو بنایا اس نے
نے نوازی کا کچھ ایسا ہے یگانہ آہنگ
عشق و مستی سے کیا مجھ کو شناسا اس نے

**

فیض رومی سے کھلا مجھ پہ در دل آخر
عالم تازہ مری خاک سے بیدار ہوا
عرصۂ دہر میں پائی وہ فضیلت میں نے
آسماں میری رفاقت کا طلب گار ہوا

**

ماہ و انجم کی خبر اس کا تخیل لائے
اس کی پرواز نگہ تا بہ ثریا جائے
دل بے تاب کا درماں ہے تلطّف اس کا
اس کی قربت ہو تو سیماب سکوں پا جائے

**

سیکھ رومی سے فقیری کے رموز و اسرار
جو امیروں سے تیری شان کو بالا کر دے
حذر اس فقر و غنا سے جو تری گردن میں
ڈال کے طوق غلامی تجھے رسوا کر دے

**

فقر و درویشی کو سکھلاتی ہے دریوزہ گری
کبریائی سے خودی ہوتی ہے جس دم مہجور
چشم سرشار سے رومی کے لیا ہے میں نے
شوکت و شان خدائی میں جو ہوتا ہے سرور

**

مئے رخشندہ ٹپکتی جو مری تاک سے ہے
پینے والے کا نصیب اس نے بہت چمکایا
دل رومی میں سنائی نے جو بھڑکائی تھی
کچھ اسی آگ سے میں نے بھی اجالا پایا

**

(۶)

پیام فاروق

اے بیابان عرب کی طرب انگیز ہوا
مصر کو جا کے وہاں نیل کی موجوں کو جگا
اور فاروق کو فاروقؓ کا پیغام سنا
فقر و سلطانی کو پھر کر کے دکھا دے یکجا

**

فقر کے ساتھ حکومت ہو' خلافت یہ ہے
یہ وہ دولت ہے کہ ہاتھ آئے تو ہے بے پایاں
اے جواں بخت ! اگر فقر نہیں ہے تجھ میں
تیری شاہی ہے فقط چند دنوں کی مہماں

**

وہ جواں مرد کہ ہے خود نگر و خود آگاہ
عالم کہنہ کو کرتا ہے دوبارہ پیدا
کرتی رہتی ہیں طواف اس کا ہزار انجمنیں
کہ وہ میلان طبیعت سے ہے خلوت آرا

**

عقل و دل کے لئے آفاق میں ہر در کو کھول
پیر ہر میکدہ سے بڑھ کے طلب کر مینا
ہاں' مگر ایسی روش رکھ بہ خلوص نیت
آستیں تر ہو تری' پاک ہو دامن تیرا

**

اے خوشا قوم کہ رکھتی ہو خودی کا عرفان
جستجو میں جسے آرام نہ ہو دامن گیر
نیلگوں چرخ کے نیچے ہو درخشاں اس طرح
جیسے میدان میں لہرائے برہنہ شمشیر

**

ترک ملاح نے، پرعزم تھے جس کے تیور
نیلی آنکھیں تھیں، شفق پھول رہی تھی رخ پر
کہا مشکل کی گرہ پڑتی ہے دریا میں جب
چاہتا ہوں کوئی طوفان ہی کھولے آ کر

**

کیسی شاہانہ عطا کی ہمیں فطرت اس نے
لکھ دی پیشانی پہ دنیا کی امامت اس نے
اپنے دل میں وہ جہاں دیکھ کہ جس کی بنیاد
دل فاروقؓ کو کر دی تھی ودیعت اس نے

**

جسے معلوم ہیں ایمان کے اسرار و رموز
دین و دنیا کو بہر رنگ اکائی دیکھے
جیسے دو دیپ جلیں اور اجالا ہو ایک
دیدۂ حق نگر، ان میں نہ جدائی دیکھے

**

جس مسلماں نے کیا اپنی خودیؔ کو محکم
راہ کی گرد کو آکاش بنا سکتا ہے
شرر شوق ہے تجھ میں تو نگہداری کر
آفتابی تجھے دنیا میں سکھا سکتا ہے

(۷)

شعرائے عرب

نغمہ سنجان عرب سے مرا پیغام کہو
لب لعلیں کی حکایت نہ سنائی میں نے
مجھے قرآن سے وہ نور ملا ہے جس سے
شب صد سالہ سحر کر کے دکھائی میں نے

**

کاخ و ایواں کو کف خاک سے کمتر جانا
عرصۂ شوق میں جانوں کو جگا کر لایا
جوئے بے مایہ کو سکھلا کے تلاطم خیزی
میں پر آشوب سمندر کے برابر لایا

**

زلف و رخسار کی یہ رام کہانی کب تک
لائق دوستی تیرا ہی ضمیر اپنا ہے
تجھے بخشا ہے پر و بال اسی گلشن نے
دے مسلماں کو وہی سوز جو تو رکھتا ہے

**

شاخ کہنہ میں ہماری ابھی رنگ و نم ہے
ابھی سینے میں وہ دل ہے کہ رہین غم ہے
وہ فسوں تیرے ہنر میں ہے کہ چشمہ پھوٹے
ہر مسلمان کے باطن میں نہاں زمزم ہے

**

جو مسلمان ہے رکھتا ہے خدائی کی صفات
اس کا دل کیا ہے؟ حقیقت میں ہے راز یزداں
جلوہ افروز جمال اس کا ہے نور حق میں
اصل کا اس کے نگہباں ہے ضمیر امکاں

**

دے اسے ایسی تب و تاب کہ اس کی شب سے
نور خورشید ہویدا ہو' سحر پیدا ہو
چھیڑ وہ راگ جو سینے میں حرارت بھر دے
اس میں دنیا کو بدلنے کا ہنر پیدا ہو

**

شیوۂ مرد مسلماں ہے تپ یاراں سے
مثل سیماب شب و روز تپیدہ رہنا
شائبۂ دل میں دوئی کا نہیں رکھنا کوئی
میں ہوں ملت مری پہچان یہی ہے' کہنا

**

دیکھتا اپنی نظر سے ہے دو عالم کو وہ
رمز سربستۂ جاں جس پہ عیاں ہو جائے
اپنے سینے میں جگا نغمہ رنگیں ایسا
کہ خزاں ختم ہو اور فصل بہاراں آئے

**

دیکھ کس چیز سے معمور ہے سینہ تیرا
کہ عبارت ہے تب و تاب سے جینا تیرا
میں نے جس کے بھی سبو دیکھے ہیں خالی دیکھے
مئے باقی ہے تری' قلب ہے مینا تیرا

**

دشت و کہسار پہ ظلمت کی گھٹا چھائی ہے
چشمہ و آب، نہ طائر ہے غزل خواں کوئی
راہبوں کی کوئی قندیل نہ کام آئے گی
چاہتی ہے سحر اب نیرِّ تاباں کوئی

**

تو جو چاہے رگ فردا پہ رکھے اپنی گرفت
اپنے ماتھے کی لکیروں کی عبارت بھی دیکھ
رکھ کے صحرائے حرم میں مری مانند قدم
اپنے اندر کے بیابان کی وسعت بھی دیکھ

(۸)

اے فرزند صحرا

کوہ و صحرا جو منور ہوئے ہنگام سحر
اک پرندے نے کہ بیٹھا تھا سر شاخ نخیل
کہا "فرزند بیاباں اب اٹھا خیمے کو
زندگی دہر میں ممکن نہیں بے ذوق رحیل"

**

سروری اس لئے خالق نے عرب کو بخشی
امتحاں فقر کا ہر آن دیا ہے اس نے
تہی دستوں میں جہاں فقر غیور آیا ہے
ایک عالم کو تہ و بالا کیا ہے اس نے

**

**

صبح فردا کی صداؤں سے ہیں راتیں معمور
طور سینا کی تجلی سے فضا ہے پرنور
جان و تن باد در و دشت سے ہے محکم تر
امتیں کرتی ہیں کہسار و بیاباں سے ظہور

(۹)

توچہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

میں تو سمجھاتا ہوں تسلیم و رضا کا آئیں
صدق و اخلاص کا دستور، وفا کا مسلک
دیکھنے والے مرے شعر میں انداز بیاں
کاش دیکھیں کے کہتے ہیں جنون زیرک

**

اپنی فطرت میں جو ہنگاموں سے بیگانہ ہو
وہ جنوں ہے کہ چمن زار بھی ویرانہ ہو
میں نے اس شہر میں وہ شور کیا ہے برپا
کہ جنوں تو ہو مگر زیرک و فرزانہ ہو

**

پہلے کھلتا ہے جو موسم میں وہ لالہ ہوں میں
اپنے سینے میں نہاں داغ سے جلتا ہوں میں
سیکڑوں قافلے پھولوں کے ہیں ہمراہ مرے
دیکھنے والے سمجھتے ہیں کہ تنہا ہوں میں

**

ہوں پریشاں صفت گرد سر راہ گزار
جسے ملتا ہے فقط دوش ہوا ہی پہ قرار
کتنا خوش قسمت و خرم وہ زمانہ ہو گا
جب اسی گرد سے نکلے گا کوئی شاہ سوار

**

مثل موج اپنے سمندر میں تڑپتا ہی رہا
کر دیا میری تڑپ نے مجھے طوفاں بکنار
اس کی تصویر بنائی تو لہو سے اپنے
کوئی رنگ اور پسند آیا نہ مجھ کو زنہار

**

خالی پیمانے کو لبریز کرے اس کی نگاہ
مے رگ تاک تمنا میں بھی دوڑانے لگے
اسے سکھلائے کچھ اس طرح تلاطم خیزی
آبجو بحر پر آشوب کو شرمانے لگے

**

ہاتھ میں قافلے کی لے جو زمام تگ و تاز
ہر نہاں کو وہ خود افروزی سکھا کر دم لے
فاش ہو جائیں تمام ارض و سما کے اسرار
آسمانوں کو بھی قدموں میں گرا کر دم لے

**

نذر ہم ہدیۂ تبریک کریں اس ماں کو
جس کا فرزند بنے قافلہ سالار جہاں
مادر پاک دل و پاک نظر، پاک گہر
جس کی آغوش محبت سے خجل حور جناں

**

دل یہ کہتا ہے نہاں گرد میں ہے جو دلبر
حکمت آموز و جنوں پرور و رزم آرا ہے
میرے کانوں میں صدا آئی فلک سے دم مرگ
پھول جب شاخ سے گرتا ہے ثمر آتا ہے

(۱۰)

خلافت و ملوکیت

نور احمد سے اجالا جو عرب نے خود کو
بزم آفاق میں روشن کیا مشرق کا چراغ
راستہ اپنا خلافت نے مگر گم کر کے
دے دیا مومنوں کے ہاتھ میں شاہی کا ایاغ

**

ہمیں عالم میں خلافت نے دیا ہے اکرام
اپنے آئین مساوات میں شاہی ہے حرام
ہمہ عیاری و نیرنگ ملوکیت ہے
حفظ ناموس الٰہی کا خلافت ہے نام

**

سر جھکا دیتا ہے شاہی کے فقط ایک کلیم
وہ جو رکھتا ہے عساکر نہ سریر و دیہیم
ایک کھیل ایسا بھی تقدیر کے کھیلوں میں ہے
کام آندھی کے جو کرنے کا ہے کرتی ہے نسیم

**

**

اب بھی انسان ہے انسان کا دنیا میں غلام
سب دساتیر غلط، کاوشیں ساری ناکام
میں ہوں اس رحمتؐ عالم کی فقیری پہ نثار
دین میں جس کے ہے آئین ملوکانہ حرام

**

دیتی ہے اس کی نگہ مہر و محبت کو دوام
جادۂ عشق میں ہے اس کی روش ہی معیار
عبدہ، اس کا مقام اور عبادت شیوہ
ہے مگر شوق کی دنیا کا وہی پالن ہار

(۱۱)

ترک عثمانی

ترک عثمانی کا اب ملک پہ ہے راج اپنا
اس نے پایا ہے دل باخبر و چشم بصیر
بند افرنگ سے چھوٹا تو ہے لیکن اب بھی
وہ ہے مغرب کے طلسمات کے زنداں میں اسیر

**

سحر افرنگ کو احرار سلفؒ نے توڑا
دل نہ پیمان خوش آہنگ سے ہر گز جوڑا
تو بھی نومید نہ ہو، اپنی خودی کو پہچان
رخ زمانے کا ترے صف شکنوں نے موڑا

**

دل ترکاں کو تمنا سے نوازا تو ہے
ان میں اک ولولۂ تازہ جگایا تو ہے
لیکن اک ایسا مسلماں ہے کہاں جو دیکھے
روئے تقدیر سے پردے کو اٹھایا تو ہے

(۱۲)

دختران ملت

دختر قوم یہ آرائش تن خوب نہیں
وہ مسلمان ہی کیا وضع میں جو کافر ہو
رخ نہ غازہ سے سجا، ایسی نگہ پیدا کر
کہ بانداز دگر دہر میں غارت گر ہو

**

اسے قدرت نے کیا باعث تخلیق جاں
زخم شمشیر نگہ کا جو لگایا تو نے
دی ہے اس تیغ کو جب آب حیا سے تو نے
دل ارباب صفا اپنا بنایا تو نے

**

عصر حاضر کا تقاضا ہے نمود نم و رنگ
رخ سے پردے کو اٹھایا ہے تو کیا ہوتا ہے
نور حق سے تو زمانے میں جہاں تابی سیکھ
جو بصد گو نہ تجلی بھی چھپا ہوتا ہے

**

**

محکمی دیتی ہیں دنیا کو ہماری مائیں
ان کی فطرت میں ہے اک عالم امکاں پنہاں
اپنی تعمیر میں رکھتی ہے خرابی وہ قوم
جس کی نظروں سے ہے یہ نکتۂ پنہاں، پنہاں

**

مادر پاک طبیعت سے ملا ہے مجھ کو
میرا سرمایہ ہے میرا خرد افروز جنوں
چشم و دل کے لئے مکتب میں رکھا ہی کیا ہے
کیا ہے مکتب بجز افسانہ و سحر و افسوں

**

اے خوشا قوم جنوں پرور و آشوب پسند
دہر میں حشر اٹھا دیتی ہے جس کی تگ و تاز
پیش کیا آیا ہے اور کیا ابھی پیش آنا ہے
صاف کھل جاتا ہے ماؤں کی جبیں سے یہ راز

**

تو اگر میری نصیحت پہ عمل پیرا ہو
موت کو ہو نہ یہ جرأت کہ تری سمت بڑھے
اس زمانے کی نظر سے ہو نہاں مثل بتولؓ
تاکہ شبیرؓ تری گود میں پروان چڑھے

**

پھر اسی لے میں سنا اہل نظر کو قرآن
پردۂ شب سے ہویدا ہو سحر کی تنویر
یاد تو ہو گا کہ وہ سوز تلاوت تھا ترا
جس نے اک پل میں بدل دی تھی عمرؓ کی تقدیر

(۱۳)

عصر حاضر

دین اس دور کے حالات میں فریادی ہے
کتنی زنجیروں میں جکڑی ہوئی آزادی ہے
رنگ و نم لے اڑا انساں کے حسیں چہرے سے
وہ غلط نقش کہ فن پارۂ بہزادی ہے

**

عصر حاضر کی نگہ نقش گر باطل ہے
اس کی صنعت وہی آزر کی صنم کاری ہے
حلقۂ اہل تجارت سے حذر لازم ہے
آج دنیا میں جواری ہے جو بیوپاری ہے

**

رات ابلیس کی تابندہ ہے دن کی صورت
نوجوانوں کو بہر رنگ بد آموز ہے عصر
اس کے دامن میں شب و روز مثال شعلہ
میں تڑپتا ہوں کہ بے نور ہے بے سوز ہے عصر

**

کی مسلمان نے درویشی و سلطانی ایک
شکل دی باقی و فانی کو بہ آسانی ایک
عصر حاضر کا یہ عالم ہے کہ اللہ کی پناہ
سچ تو یہ ہے کہ ہے سلطانی و شیطانی ایک

**

کیا کہے کوئی کہ یہ رقص ہے تیرا کیسا
نشۂ بنت عنب ہے کہ تب و تاب دروں
صرف تقلید فرنگی ہے تری پا کوبی
کہ تری مردہ رگوں میں نہیں طغیان خوں

(۱۴)

برہمن

سیکڑوں فتنوں کا در آپ ہی کھولا تو نے
چل کے دو چار قدم خود کو گرایا تو نے
برہمن نے کیا آراستہ اصنام سے طاق
اپنے قرآں کو مگر طاق پہ رکھّا تو نے

**

میں برہمن کو نہیں کہتا کہ ہے ناکارہ
کوہساروں کی چٹانوں کو تراشا اس نے
کون کر سکتا ہے یہ قوّت بازو کے بغیر
سنگ خارہ سے خداؤں کو بنایا اس نے

**

برہمن اپنے لئے آنکھ کو وا رکھتا ہے
اپنے گن گیان کو پردوں میں چھپا رکھتا ہے
ورغلاتا ہے مجھے چھوڑ یہ تسبیح اپنی
اپنے زنار کو سینے سے لگا رکھتا ہے

**

**

برہمن کہتا ہے افرنگ کی دہلیز سے اٹھ
ہم سے ملنے میں تجھے نفع ہے نقصان نہیں
ایک مندر میں بہم سحر بتاں سے ہوں مگر
ایک مسجد میں دو ملّاؤں کا امکان نہیں

(۱۵)

تعلیم

اشب زیست میں آ جائے صبا رفتاری
تازیانہ ہے اگر دل میں ہو تیرے تب و تاب
گر سکھانا ہے تو بچوں کو تب و تاب سکھا
سحر و افسوں ہے جو مکتب تو فسانہ ہے کتاب

**

علم سے، مرد قلندر کی نگہ ہے خوشتر
درد مندی اگر انسان میں پیدا نہ کرے
ہے قلندر کی نگہ سے بھی وہ خوش تر لاریب
دل خوددار، دو عالم کی جو پروا نہ کرے

**

اس بشر سے کوئی خالق کو سروکار نہیں
جس کے سینے میں دل زندہ و بیدار نہیں
ایسے مکتب سے گریزاں ہوں کہ جس کے فرزند
علم تو رکھتے ہیں باطن کے نگہدار نہیں

**

یاد رکھو کہ جو محروم ہے بینائی سے
کسی بینائے غلط بیں سے کہیں بہتر ہے
یاد رکھو کہ نکو کیش ہے نادان اگر
کسی دانشور بے دیں سے کہیں بہتر ہے

**

کچھ بھی حاصل نہیں اس فکر فلک پیما سے
آپ جو گرد رہ اختر و سیارہ رہے
پارۂ ابر کی مانند ہوا سے ہر سو
پیہم آفاق میں سرگشتہ و آوارہ رہے

**

کوئی ناداں ہو کہ دانا ہو، ادب ہے زیور
کہ ادب ہی سے نکھرتا ہے بشر کا جوہر
مجھے قائل نہیں کرتا وہ مسلماں زادہ
جس میں دانش تو زیادہ ہو، ادب ہو کمتر

**

اپنے طفلان نو آموز سے نومید نہ ہو
فکر کیا، ذہن رسا گر نہیں پایا جاتا
شیخ مکتب مگر اک بات ذرا مجھ کو بتا
دل بھی کیا سینوں کے اندر نہیں پایا جاتا

**

اپنے فرزندوں کو دانش بھی سکھاؤ دیں بھی
صورت نجم و قمر ان کا نگیں چمکے گا
ہاتھ میں ان کے اگر کوئی ہنر بھی دے دو
آستیں میں ید بیضا کی طرح دمکے گا

**

وہ نوا سنجِ مرغانِ گلستاں بھی گئی
خون سے لالہ کے وہ شورش طغیاں بھی گئی
تجھ کو ہے مکتب و دانش پہ بہت ناز مگر
روٹی ہاتھ آئی نہیں، تن میں جو تھی جاں بھی گئی

**

شاد و مسرور وہ درویش خود آگاہ رہے
کھل گئے جس کی توجہ سے دلوں کے غنچے
طفلِ مکتب کو ہمارے یہ دعا دی اس نے
کہیں روٹی کے لئے جال میں جا کر نہ گرے

**

لا الہ اپنی گرہ میں جو کسی نے باندھا
دام سے مکتب و ملّا کے چھڑائے اوقات
دور تر رہنا ہے اس دانش و دیں سے تجھ کو
چھین لے جائے جو تجھ سے ترا دل، آنکھ اور ہات

**

سانحہ کیسے ہوا؟ پوچھنے سے کیا حاصل
قافلہ راہ میں جب لوٹ لیا جاتا ہے
مدرسہ کی ہے جو تعلیم تجھے کیا معلوم
قوم کی روح کو یوں قتل کیا جاتا ہے

**

وہ جواں جس کا دل آگاہ ہے رنگیں ہے کلاہ
حق نے بخشی ہے اسے شیر کی مانند نگاہ
جا کے مکتب میں پڑھے جس نے علوم عیشی
اسے دنیا میں میسّر نہیں اک برگ گیاہ

**

**

ایک دن اونٹ سے بچے نے کہا صحرا میں
جس کو کہتے ہیں خدا کیا اسے دیکھا ہے کہیں
باپ یوں بولا کہ ہاں اونٹ کو اس وقت خدا
نظر آ جاتا ہے جب پاؤں پھسلتا ہے کہیں

(۱۶)

تلاش رزق

رزق کے واسطے اڑتا جو پھرے بام بہام
جرہ بازوں میں نہیں پاتا وہ عزّت کا مقام
ایسے نخچیر سے جو ہو فقط اک مشت پر
ہے یہ بہتر کہ نشیمن ہی میں ہو کام تمام

**

آنکھ کا ہے یہ تقاضا کہ ہو خود سے آگاہ
تازیانہ ہے جو قدرت نے ہمیں دی ہے نگاہ
جستجو رزق کی اڑنے کا بہانہ ہے فقط
کھول دیتی ہے فضاؤں میں تگ و تاز کی راہ

(۱۷)

نہنگ بابچہ خویش

یوں ہوا ایک نہنگ اپنے پسر سے گویا
اپنے مذہب کی روایات میں ساحل ہے حرام
کھیل موجوں سے مگر دیکھ، کنارے پہ نہ جا
اپنا مسکن تو مری جان ! یہ دریا ہے تمام

**

تو، تو دریا میں نہیں بلکہ ہے دریا تجھ میں
اور طوفان سے ٹکرانا ترا جوہر ہے
گر تلاطم سے تو آسودہ ہوا اک پل بھی
پھر تو دریا ہی ترے واسطے غارت گر ہے

(۱۸)

خاتمہ

قصۂ زلف نہ ذکر مے و پیمانہ تھا
ہاں، بلا خوف و خطر عشق کا افسانہ تھا
اہل دل سے جو سنی تھیں انہیں باتوں کا بیاں
میرے اشعار میں با شوخیٔ رندانہ تھا

**

تھام لے دامن دل اور خودی کو پہچان
اپنے سینے کے نہاں خانے میں منزل کر لے
دے کے خونابۂ خود سینچ لے اپنی کھیتی
کچھ مرے بوئے ہوئے دانے سے حاصل کر لے

**

قبلہ قلب و نظر ہے جسے کہتے ہیں حرم
کہ طواف اس کا طواف در و دیوار نہیں
ہے جو اللہ کے گھر اور مرے دل میں ربط
اس سے جبریل بھی واقف نہیں، زنہار نہیں

حضور عالم انسانی

آدمیت احترام آدمی
باخبر شو از مقام آدمی
(جاوید نامہ)

تمہید

(۱)

بادۂ کہنہ کے پینے کا جو ساماں ہو جائے
ساقیا رشک ارم صحن گلستاں ہو جائے
نے نوازی میں مری سوز عطا کر ایسا
چوب نے شمع کی مانند فروزاں ہو جائے

**

تو ذرا حجرۂ خلوت سے نکل کر تو دیکھ
اپنے سینہ کو طربناک ہواؤں میں کھول
صحن گلزار میں بلبل کی نوا ہے جتنی
تو بھی ہنگامۂ آفاق میں اتنا تو بول

(۲)

وقت نے فتنوں کے دربار کئے اور گیا
کم سوادوں کو عطا تخت کئے اور گیا
اپنی چنگیزیوں سے سیکڑوں بغداد سے شہر
صورت گور سیہ بخت کئے اور گیا

**

خوف فردا سے کوئی کام نہ کرنے والے
کل نہ دیکھیں گے کبھی آج کے مرنے والے
زہے مرداں کہ ہیں ہنگامۂ تازہ تر سے
بے خطر دامن امروز کو بھرنے والے

(۳)

مثل بلبل تو کبھی درد سے تڑپا ہی نہیں
جان بیدار، ترا تن ہے کہ رکھتا ہی نہیں
تجھے ڈر ہے کہ ترا ہاتھ نہ زخمی ہو جائے
بھرے گلشن میں بھی تو پھول کا جویا ہی نہیں

**

پہلے تلخاب غم شوق کو پینا بھی سیکھ
اپنے ناخن ہی سے کاویدن سینہ بھی سیکھ
آرزو معرفت حق کی جو تو رکھتا ہے
خود شناسی کا زمانے میں قرینہ بھی سیکھ

**

شکوۂ سختیٔ ایام نہ کر تو زنہار
جس نے سختی نہ سہی بندۂ ناکارہ ہے
کبھی دیکھا نہیں کیا آب رواں کو تو نے
خوش نما تر ہے وہ جب سنگ سے ٹکراتا ہے

**

اک کبوتر نے کہی بچہ سے کیا اچھی بات
زندگی کرتی نہیں خوئے حریری سے نباہ
مستیٔ شوق سے جو نعرہ زن 'یاہو' ہے
چھین لیتا ہے جہاں میں سر شاہیں سے کلاہ

**

کبریائی کی بلندی سے گرا کر خود کو
دوں نہادوں کے حضور آنکھیں بچھاتا ہے تو
تو کہ شاہیں ہے مگر آپ سے بیگانہ ہے
اپنے ہی دام میں جب تک نہیں آتا ہے تو

**

اے خوشا روز کہ تو ڈھونڈ لے پہچان اپنی
دولت فقر سے ملتا ہے امیری کا وقار
بخش دیتا ہے یقیں ملک حیات جاوید
جادۂ وہم و گماں میں ہے نہاں موت کا غار

**

آشنا خود سے نہیں، تو بھی نہیں میں بھی نہیں
دن وہ کس درجہ حسیں ہو گا جب اٹھیں گے حجاب
کفر کی راہ چلاتی ہے مجھے فکر معاش
کفر کی راہ چلاتا ہے تجھے علم کتاب

**

اپنے فرزند سے اک اشتر دانا نے کہا
وہی اچھا ہے جو خود کار کشا ہو اپنا
بات اگر دشت نوردان کہن کی مانو
آپ دوران سفر بوجھ اٹھاؤ اپنا

(۴)

باتیں دانائے فرنگی کی مجھے یاد تو ہیں
کھولنا چاہتا تھا بود و عدم کے اسرار
لیکن اک پیر عجم کا میں سناتا ہوں یہ قول
جس سے مل جاتا ہے بے چین طبیعت کو قرار

**

خود جو بے بہرہ ہیں کیا دیں گے جز اندوہ و الم
تو نے سو روگ لگا رکھے ہیں اک جان کے ساتھ
خوب تر ہے تجھے ملّاؤں کی تاویلوں سے
پل دو پل بیٹھنا اک خودنگر انسان کے ساتھ

(۵)

اک حقیقت ہے یہ عالم کہ نظر کا دھوکا
اپنے داناؤں نے مشکل کی گرہ کیا کھولی
فن غوّاص پہ لکھ ڈالیں کتابیں لیکن
دل دریا میں نہیں کی ہے کبھی غوّاصی

**

"بے ستوں" تیشے کی ضربات مسلسل سے توڑ
فرصت زیست ہے کم اور ہے گردوں دو رنگ
اہل حکمت کو تفکّر کے خم و پیچ میں چھوڑ
کہ شرر جس سے نکلتا ہے وہ تیشہ ہے کہ سنگ !

**

ہاتھ سے چھوڑ نہ اک پل بھی تمنّا کا چراغ
مستی و شوق کی دنیا میں مقام اونچا کر
رہ نہ جا وسعت آفاق میں تو گم ہو کر
خود سے آگاہ ہو' عالم کو تہ و بالا کر

**

دل دریا کو کیا تو نے سکوں بیگانہ
اس کی آغوش میں ہے گوہر یک دانہ تو
اپنی بے تابی کی اے موج نگہداری کر
کہ ہے دریا کے لئے زینت کاشانہ تو

**

دو جہاں تیرے ہیں تو خود سے اگر محرم ہے
آپ اپنے سے نہیں چاہئے چھپنا ہر گز
آج کیسا ہے ترا کل کے اجالے میں دیکھ
ٹوٹتا کل سے نہیں آج کا رشتہ ہر گز

**

اے گل لالہ کہ حسن اپنا دکھایا تو نے
رخ زیبا پہ جو پردہ تھا اٹھایا تو نے
میری الجھن ہے کہ تو شاخ کے اندر کیا تھا
نام جب شاخ سے پھوٹا ہے تو پایا تو نے

**

مرد روتا نہیں کتنا بھی ہو رنج و آلام
بیٹھ سکتی نہیں دل پر غم دوراں سے گرد
اپنے رونے پہ قیاس اس کا نہ کرنا ہر گز
مستی و سوز و تب و تاب سے ہے گریۂ مرد

**

مرد میداں کو فنا موت نہیں کر سکتی
گرچہ دنیا کی نگاہوں سے گزر جاتا ہے
ہے یہی موت تری شان کے شایاں ورنہ
کوئی خواہاں ہوتو ہر موت سے مر جاتا ہے

**

رمز جاں سے نہ ہو آگاہ اگر تیری خاک
آب نیساں بھی تری شاخ میں نم لا نہ سکے
غم سے آزاد ہو اور دم کی نگہداری کر
تیرے سینے میں اگر دم ہو تو غم آ نہ سکے

**

زندگانی کا ہے ہر لمحہ رہین غم چند
اور ہر غم کی شراکت میں ہیں نامحرم چند
آ کہ فردا کے لئے طرح نو ایجاد کریں
تو اگر جانتا ہے کیا ہے بہائے دم چند

**

بحر میں شست سے بے خوف سفر کرتا ہے
وہ جواں مرد کہ آپ اپنی خبر رکھتا ہے
حسن کے جلووں کا نظّارہ روا ہے لیکن
ہاتھ اور دل کی حفاظت پہ نظر رکھتا ہے

**

ایسے غم میں ہے گرفتار ہمارا دل زار
اصل جس غم کی نہیں کوئی بجز خاک نژند
غم شیریں سے میں واقف ہوں نہ تو ہے آگاہ
اپنی بنیاد میں رکھتا ہے جو افکار بلند

**

زیب دیتا نہیں اللہ سے شکوہ تجھ کو
تو اگر چاہے تو دھل سکتی ہے دامن سے گرد
کر بھی دے ایسے جہاں کو تہ و بالا جس میں
مات کھا جاتا ہے نامرد کی چالوں سے مرد

**

پاک کر لے حسد و کینہ سے سینہ اپنا
گھر کے روزن سے نکل جائے دھواں بہتر ہے
کشتہ دل سے جو ادا کرتا ہے اوروں کو خراج
اپنی بستی کے لئے آپ ہی غارت گر ہے

**

اس کی راتوں کے گریباں میں ہیں صبحیں بیدار
اپنے کوکب سے دو عالم کو وہ چمکاتا ہے
مرد حق کا یہ نشاں ہے کہ جب آتی ہے موت
مسکراتے ہوئے دنیا سے گزر جاتا ہے

(۷)

کہا شبنم نے نسیم سحری سے رو کر
نگۂ لطف ہو اس عاجز و کم مایہ پر
صحبت گل سے دل افسردہ ہے' اس طرح گزر
کہ ٹپک جاؤں میں اب سبزۂ بیگانہ پر

(۸)

دل

دل وہ دریا ہے کہ جس کا نہیں ساحل کوئی
جس کی موجوں سے لرزتے ہوں نہنگوں کے جگر
جس کے سیلاب میں کھو جائیں ہزاروں صحرا
سامنے جس کے فلک مثل حباب آئے نظر

**

میرا دل آگ ہے اور تن ہے مرا موج دود
دمبدم اس کا ہے مصروف تپش ساز وجود
نالۂ نیم شبی سے اسے ملتا ہے قرار
جیسے سیماب کو دیتی ہے سکوں چوب عود

**

ہاتھ میں رکھتا ہے ہر آن زمانے کی عناں
مرد درویش کہ ہوتا ہے نگہدار اپنا
فقر و شاہی ہے یہی قلب کو رکھ پاکیزہ
جس طرح رکھتا ہے دریا در شہوار اپنا

**

امتحاں سے نہ گزرتی جو خودی کی قوّت
بند دروازے نہ کھلتے کبھی زندانوں کے
ٹوٹ سکتی نہ کسی طرح خرد کی زنجیر
عشق سینے میں نہ ہوتا اگر انسانوں کے

**

تو سمجھتا ہے کہ دل پیکر خاک و خوں ہے
جو گرفتار فسوں کارئ کاف و نوں ہے
گرچہ سینے میں ہمارے وہ ہوا آکے مکیں
اس جہان گزراں سے وہ مگر بیروں ہے

**

دل کی زاری سے ہے ہر عقدۂ مشکل کی کشود
ڈالتا ہے وہ جہان مہ و انجم پہ کمند
ہند والوں کو یہ پیغام سنا دو میرا
دل کی بیداری سے کٹتے ہیں غلامی کے بند

**

یہ جہان من و تو کشت ہے، حاصل ہے وہ
لیلائے زیست کا مسکن ہے وہ محمل ہے وہ
راہ کی گرد ہے دانائے رموز و اسرار
تو اسے عقل سمجھتا ہے مگر دل ہے وہ

**

کبھی ہوتا ہے وہ جوئندۂ حسن پنہاں
اوج منبر سے پہنچتا ہے سر دار و رسن
کبھی سلطان جہاں گیر ہے با خیل و سپاہ
سر و ساماں سے ہے خالی مگر اس کا دامن

**

کاخ و کو ہے نہ در و بام کہیں ہے کوئی
چار سو ہے نہ فلک ہے نہ زمیں ہے کوئی
دل کی دنیا ہے جدا عالم رنگ و بو سے
بجز "اللہ ہو" زنہار نہیں ہے کوئی

**

آنکھ ہے دیکھتی، لاتی ہے خرد پیمانہ
عزم پیمائش آفاق کیا جاتا ہے
بادہ آشام جسے کہتے ہیں دل، اہل زمیں
اس کے اندر یہ جہاں آپ سمٹ آتا ہے

**

عشق کیا چیز ہے؟ تاثیر نگہ کہئے جسے
زخم دیتا ہے عجب، تیر نگہ کہئے جسے
صید دل کا جو ارادہ ہے تو ترکش کو پھینک
کہ یہ نخچیر ہے نخچیر نگہ کہئے جسے

(۹)

خودی

نور حق ہی سے خودی روشن و تابندہ ہے
نارسائی میں ہے پوشیدہ رسائی اس کی
نام ہے جس کا جدائی وہ حقیقت میں ہے وصل
وصل کہتے ہیں جسے، ہے وہ جدائی اس کی

**

قوم گفتار کے حلقے سے نکل آتی ہے جب
قلب میں آرزو پروان چڑھا کرتی ہے
آرزو سے ہے خودی صورت تیغ عریاں
کاٹ کر رنگ کو نکہت سے جدا کرتی ہے

**

ہستی حق پہ ہے موقوف خودی کی ہستی
اس کی تنویر سے جوہر بھی خودی کا چمکا
مجھے معلوم نہیں ہے مگر اتنا کہہ دوں
دُرِ یکتا کہاں ہوتا جو نہ دریا ہوتا

**

صحبت آب و گل آ جاتی ہے جب دل کو پسند
لذّت خواب میں کچھ وقت گزر جاتا ہے
جاگتا ہے، جب انا ہوتی ہے پیدا لیکن
تن کی محکوم انا ہو تو وہ مر جاتا ہے

**

جب میں کہتا ہوں جدائی ہے مجھے عین وصال
وہ سمجھتا ہے جو خود اہل نظر ہوتا ہے
گرچہ آغوش میں دریا کے ہے گم گشتہ گہر
آب دریا سے جدا آب گہر ہوتا ہے

**

تن خاکی ہے مرا اس کے ہی خاک در سے
گل و ریحاں ہیں مرے اس کی ہی ابر تر سے
کیا ہوں میں اور وہ کیا ہے؟ نہیں معلوم مگر
میری ہستی ہے اسی خالق بحر و بر سے

(۱۰)

جبر و اختیار

میرا ایماں ہے کہ اک روز حضور داور
سارے عالم کا عمل پیش کیا جائے گا
مگر اس بات کا ڈر ہے کہ قیامت کا دن
راس آئے گا مجھے اور نہ اسے آئے گا

**

راہب پیر نے جو مجھ سے کہا رو ما میں
معترف دل سے ہوں اس بات کی تاثیر کا میں
اپنی موت آپ ہی کر لیتی ہے پیدا ہر قوم
تو ہے تقدیر کا مارا ہوا تدبیر کا میں

(۱۱)

موت

سنتے ہیں موت نے اک مرتبہ یزداں سے کہا
کہ زمیں زادہ کی آنکھ اشک سے بے مایہ ہے
جان لیتے ہوئے اس کی مجھے آتی ہے شرم
اسے مرنے سے مگر عار نہیں آتا ہے

**

**

سروری عالم امکاں کی جو دی ہے اس کو
عرصۂ دہر میں اب اس کو عطا کر دے ثبات
خواریٔ مرگ سے شرمندہ نہیں ہوتا ہے
کہ ابھی تک ہے وہ نامحرم ناموس حیات

(۱۲)

بگو ابلیس را

کوئی ابلیس کو میرا یہ سنا دے پیغام
تا بکے تڑپے گا اس طرح سے تو زیرِ دام
سازگار آیا نہ مجھ کو یہ جہان گزراں
ہے طلوعِ سحر اس خاک پہ تمہید شام

**

یہ جہاں آیا تھا جب کتمِ عدم سے بیروں
اس کی فطرت میں نہ شورش تھی نہ ہنگامہ تھا
اک مری جاں کے سوا سوز کہاں تھا موجود
میری آتش سے کیا تجھ کو خدا نے پیدا

**

زندگی نورِ بصیرت سے درخشندہ ہوئی
کہ جدائی نے مرے شوق کو جولانی دی
تجھ پہ کیا گزری یہ معلوم نہیں ہے مجھ کو
آب و گل نے مری ہستی کو خود آگاہی دی

**

**

اپنی چوکھٹ سے اٹھایا تجھے کافر کہہ کر
مضطرب رہتا ہے تو عالم آب و گل میں
دیکھ مجھ کو کہ ازل ہی سے ہوں محروم سکوں
ایک کانٹے کی خلش سے کہ ہے میرے دل میں

**

خوب و ناخوب سے میرے ہے تجھے آگاہی
دانے دانے کو ترستی ہے مری کشت تباہ
تو نے سجدہ نہ کیا اور مری غم خواری میں
دوش پر اپنے اٹھایا ہے مرا بار گناہ

**

آ کہ ہم دہر سے ظلمت کو مٹا کر دیکھیں
چار سو درد محبت کو جگا کر دیکھیں
ہاں' بہ افسون ہنر ایک پرکاہ سے ہم
نئی جنت تہِ افلاک بنا کر دیکھیں

(۱۳)

ابلیس خاکی و ابلیس ناری

نہیں محتاج بیاں فتنۂ عصر حاضر
آسماں کو بھی اسے دیکھ کر آتی ہے شرم
تو اگر ذوق نگہ آپ میں پیدا کر لے
تیری خدمت میں رہیں سیکڑوں شیطاں سرگرم

**

ہر گلی کوچے میں ہیں راہ زن چشم و گوش
لوٹ لیتے ہیں دلوں کو جو سنا کر دو بول
یہ وہ تاجر ہیں کہ رکھتے ہیں بہت ارزاں نرخ
ہر گنہ بکتا ہے بازار میں کوڑی کے مول

**

کیسا شیطان ہے یہ چال ہے جس کی واژوں
تیری آنکھوں کو بناتا ہے ہدف جس کا فسوں
ایسا شیطان تو ہے مری نظر میں مردہ
جس کا نخچیر ہے تجھ جیسا نحیف اور زبوں

**

قتل یوں کرتا ہے زہر مئے رنگیں اس کا
بے خبر تن ہے کہ وہ جاں سے ہوا بیگانہ
حلقۂ دام تو ظاہر ہے' نظر آتا ہے
حذر اس دام سے جس میں کہ ہو پنہاں دانہ

**

کیسی پستی میں گرا کیسی بلندی سے تو
محکمی میں تری مشکل کی گرہ کی ہے کشود
ہیں گنہ بھی ترے بے لذّت و بے کیف' اگر
خاک سے ہے ترے ابلیس کی فطرت کی نمود

**

میں تو کہتا ہوں کہ اس دور کے ابلیسوں کے
دام تزویر میں آنا بڑی کم ظرفی ہے
وہی ابلیس ہے ارباب ہمم کو خوشتر
جس نے روز ازل انکار کی جرأت کی ہے

**

وہ ہے آتش نسب اور صاحب جاہ و اکرام
کوئی اس کا جو مقابل ہے تو ہے مرد تمام
ہر بشر اس کی نظر میں نہیں شایان شکار
صید کم ہمت و لاغر کو سمجھتا ہے حرام

**

گرچہ یہ زشت نہادوں کی سمجھ سے ہے دور
مگر اک نکتۂ دانش مجھے کہنا ہے ضرور
دوست رکھتا نہیں اس دور کے ابلیسوں کو
وہ گنہگار کبھی جس کی طبیعت ہے غیور

بہ یاران طریق

آ کہ ملّت کی بھلائی کے لئے کام کریں
اشب شوق، رہ حق میں سبک گام کریں
شاید اس طرح ہو پیدا دل ملّا میں گداز
مسجد شہر میں زاری سحر و شام کریں

(۱)

دہر میں مرد قلندر ہے مثال شاہیں
جس کی ہمت کے سفر میں ہے سبک کوہ گراں
ہمہ عالم ہے افق تا بہ افق جولاں گاہ
آشیانے کا اٹھاتا ہی نہیں وہ احساں

**

چھیڑا جب نغمہ 'اللہ ہو' میری جاں نے
چار سو کا رخ ہستی سے اڑا گرد و غبار
ساز لینا مرے ہاتھوں سے کہ اشکوں کی طرح
سوز زخمہ سے گرا ٹوٹ کے اس کا ہر تار

**

دل فطرت میں تپایا گیا آنسو کی طرح
اس کی آنکھوں میں پھرا اک آن کے ساتھ آیا میں
دیکھ مژگاں میں اسی کے مری تابانی کو
گھاس کی پتی پہ شبنم سا نہیں ٹپکا میں

**

علم منطق کی دلیلوں میں ہے بو خامی کی
راہ جو اس کی ہے وہ راہ ہے ناکامی کی
در سر بستہ کو وا کرنے کی خاطر ہے بہت
ایک دو بیت کہ رومی کی ہو یا جامی کی

**

آ کہ وہ نشّہ مرے بادۂ دیرینہ میں ہے
قوت نشوونما خاک پیالہ پا جائے
آبیاری جو کرے تو مرے پیمانے سے
شاخ لالہ قد آدم کے برابر آ جائے

**

میرے ہاتھوں میں وہی چنگ کہن سالہ ہے
اس میں سو رنگ کے نغمے ابھی خوابیدہ ہیں
ناخن شیر سے ہے چنگ نوازی میری
کہ رگ سنگ سے تار اس کے تراشیدہ ہیں

**

کہہ دو پیغام مرا عصر کے پرویزوں سے
کسی تیشے کا میں شرمندۂ احساں کیوں ہوں
سینے میں جس کی خلش رہتی ہے اس خار سے میں
بے ستوں جیسے دو صد کوہ کے دل چاک کروں

**

میرا مسلک ہے فقیری، میرا ساماں ہے نگاہ
کوہ یاراں مرے نزدیک ہے اک برگ گیاہ
یاد رکھنا مرا یہ قول کہ شمشان کا زاغ
ایسے شاہیں سے ہے بہتر کہ ہو پروردۂ شاہ

**

در دل میں نے کسی پر بھی نہیں بند کیا
دوستوں سے نہ عزیزوں سے تعلق توڑا
چرخ گرداں کے تلے زندگی راس آئی مجھے
اپنے سینے ہی میں جب اپنا نشیمن جوڑا

**

اس گلستاں میں کہاں میرے لئے آب و جاہ
میری قسمت کے نوشتے میں قبا ہے نہ کلاہ
کہہ دیا ہے مجھے گلچیں نے بد آموز چمن
میں نے جو دیدۂ نرگس کو عطا کی ہے نگاہ

**

سن لو جو بات کوئی صاحب فن کہتا ہے
بات باریک تر از برگ سمن کہتا ہے
دیدہ ور کون ہے وہ، کوئی بتائے لیکن
خار کو دیکھ کے جو حال چمن کہتا ہے

**

گرچہ ہرگز نہیں میں رمز شناسائے فن
ہے مگر تازہ فضا میں مری پرواز سخن
قافلہ والوں کے دل میں وہ جگائی ہے امنگ
کہ بصد شوق سبک رو ہوئے پیران کہن

**

تو سمجھتا ہے کہ اک مرغ سحر خواں ہوں میں
میرے دامن میں ترے درد کا درماں بھی ہے
میں فقط آہ و فغاں ہی نہیں رکھتا کہ مرے
آشیانے میں کلید چمنستاں بھی ہے

**

یہ جہاں میری نظر میں نہیں جز راہ گزار
ہم سفر کوئی نہیں گرچہ مسافر ہیں ہزار
کہئے جس کو بھی یگانہ وہ ہے بیگانہ تر
اس لئے توڑ کے آیا ہوں میں رشتوں کا حصار

**

تجھے پستی سے ابھرنے کا قرینہ آئے
ترے سینے میں عزیمت کا خزینہ آئے
میرے نغمے کے سمندر میں جو غوطہ زن ہو
مثل گوہر تجھے طوفان میں جینا آئے

**

پرورش گاہ مری ہے یہ جہان خاکی
یہ مکاں دل کو مگر خوش نہیں آیا ہر گز
اسی مٹّی سے ہوئی نشوونما میری مگر
آسماں اپنی زمیں کو نہیں جانا ہر گز

**

تو نہیں جانے گا جب تک کہ نہ ہو محرم مرد
حوصلہ دیتا ہے افسردہ دلوں کو دم مرد
روک کر رکھتا ہے وہ آہ و فغاں سینے میں
کہ ہے خوددار بہت صورت مرداں غم مرد

**

وہ نظر چاہئے جو جسم میں جاں دیکھ سکے
پھول جو شاخ کے اندر ہے نہاں دیکھ سکے
ورنہ اس تیر کی صورت جو کماں میں ہے ابھی
تیر افگن کی نظر ہی سے نشاں دیکھ سکے

**

عقل حیران و سراسیمہ ہے بے ذوق یقیں
علم و حکمت میں بجز وہم و گماں کچھ بھی نہیں
دو سو بوحامد و رازی سے بھی اونچا ہے مقام
کسی ناداں کا جو رکھتا ہے نگاہ حق بیں

**

سر و ساماں نہ زر و لعل و گہر رکھتے ہیں
نہ غلامان درخشندہ کمر رکھتے ہیں
بے نیازی ہے دو عالم سے جو یزداں کی طرح
یہی دولت ہے جو ہم اہل نظر رکھتے ہیں

**

نشّہ میرا ہے خودی کے لئے سرمایۂ ہوش
اس سبب سے مرا میخانہ ہے بے جوش و خروش
ہے تو نا صاف مگر جھوم کے پی جا اس کو
کہ ہے صہبا مری نہ جرعۂ خمہائے دوش

**

تجھے رہتی ہے غرض خرقہ و عمّامہ سے
میرے سینے میں بسی رہتی ہے خوشبوئے نگار
چوب نے ہی مری دولت مرا سرمایہ ہے
چوب منبر مجھے درکار ہے نے چوب دار

**

اپنے آئینہ کے جوہر کو جو پرکھا میں نے
سینۂ خویش میں خلوت کا طریق اپنایا
ایسے بے ذوق خرد مندوں کی صحبت سے میں
غم دیرینہ کو پہلو میں لئے لوٹ آیا

**

میں نے اس خاک سے جب رخت سفر باندھا تھا
سب یہ کہتے تھے ہمارا بھی شناسا تھا وہ
پر کسی کو نہیں معلوم کہ اس راہی نے
کیا کہا، کس سے کہا اور کہاں کا تھا وہ

(۲)

جس کا دل زندہ و بیدار ہے روشن ہے ضمیر
تہی دستی و فقیری میں بھی رہتا ہے امیر
دوش پر منعم بے دانش و دیں کے لاریب
جو قبا ہے وہ حقیقت میں ہے پالان حریر

(۳)

ہاتھ کیا آیا تجھے شاہوں کو سجدہ کر کے
کیا ملا ہے حرم پاک کو رسوا کر کے
خانۂ دل سے اٹھا دے بت افرنگی کو
خوئے دریوزہ گری چھوڑ دے توبہ کر کے

**

بیت اک پیر حق اندیش کی یاد آئی مجھے
علم و دانائی میں حاصل تھی جسے شہرت عام
مفلسی میں بھی اگر کوئی بشر ہو خوددار
اس کے ہاتھ آتی ہے اک روز دو گیتی کی زمام

**

عشق کو ڈھونڈنا چاہو گے تو منبر پہ نہیں
تختۂ دار پہ ملتا ہے وہ شوریدہ سر
کیا براہیم ڈرے ہیں کبھی نمرودوں سے
آگ میں پڑ کے مہک اٹھتا ہے عود احمر

**

غم گسار اپنا، گل لالہ، کہیں اور نہ ڈھونڈ
تو بھی اپنے دل خوددار ہی سے یاری کر
رکھ بہر موج ہوا سینہ کشادہ اپنا
داغ کہنہ کی بہرحال نگہداری کر

**

مجھ سے اک پیر نے ازراہ نصیحت یہ کہا
زندگی وہ ہے جو زیبا ہو ترے من کے لئے
تجھے اس مرد فرو دست سے لازم ہے گریز
اپنا من بیچ کے جو زندہ رہے تن کے لئے

**

موج بیتاب نے اک روز یہ ساحل سے کہا
جبر کی قوتوں سے برسر پیکار ہوں میں
گاہ پیچیدہ بخود ہوں کسی افعی کی طرح
گاہ میدان تگ و تاز میں للکار ہوں میں

**

گر ترا جاہ و حشم ہے بہ طفیل افرنگ
تو یہ لازم ہے، جبیں تیری ہو اس کا در ہو
چوب اس کی ہو سریں تیری کہ یہ قول ہے سچ
خر پہ حق ہوتا ہے اس کا بھی جو پالاں گر ہو

**

ایک دل بھی تو فرنگی کا نہیں زیر نگیں
جسے دنیا میں غرض ملک سے ہے دیں سے نہیں
اس خداوند کے مسکن کا جو کرتے ہیں طواف
دو صد ابلیس ہیں لیکن نہیں اک روح الامیں

(۴)

دل سے نومید ہوئے دیں بھی گنوایا ہم نے
گل سے خوشبو کی طرح خود کو اڑایا ہم نے
دل کے مرنے سے ہوا دین بھی مردہ اپنا
ایک سودے میں دو موتوں کو خریدا ہم نے

**

ناصیہ سا نہ ہو دہلیز پہ غیر اللہ کی
رمز دیں کو پھر اگر یاد مسلماں کر لے
آسماں اس سے کرے جب کبھی روگردانی
کرۂ ارض کو وہ تابع فرماں کر لے

**

دل بیگانہ خو اس عالم خاکی سے نہیں
روز و شب اس کے نہیں دور زماں کے پابند
تو خود آگاہ ہو کب وقت قیام آتا ہے
عشق کے سجدے نہیں ہوتے اذاں کے پابند

**

منزل شوق نہیں ملتی ہے بے صدق و یقیں
جو میسّر نہیں بے صحبت جبریل امیں
تجھ میں گر صدق و یقیں ہے تو بلا خوف و خطر
جادہ پیما ہو، کمیں گاہ میں کوئی بھی نہیں

**

ہے یہ عرفان بہت ایک مسلماں کے لئے
اس کی ہستی پہ اگر فاش ہو رمز لولاک
ماعرفناک کہا جس نے اسے تو پہچان
نہیں حاصل ہے اگر تجھ کو خدا کا ادراک

**

خود کو اصنام فرنگی کے حوالے کر کے
جان بتخانے میں بے غیرتی سے دی تو نے
عقل بیگانۂ دل، سینہ ہے بے سوز ترا
حیف! مے ناک نیاگاں سے نہیں پی تو نے

**

عشق کا پاتا نہیں نکتۂ پنہاں ہر شخص
خود گدازی کا نہیں رکھتا ہے عرفاں ہر شخص
لا الہ کی ہے قبا خون سے رنگین تمام
اس گراں قدر قبا کے نہیں شایاں ہر شخص

**

آتش شوق سے جلتا ہے مسلماں کا وجود
اس کی کاوش میں ہے ہر عقدۂ مشکل کی کشود
کبریائی کا جلال اس کی اقامت ہے اور
بندگی کا ہے جمال اس کا رکوع اور سجود

**

کیا بتاؤں میں تجھے کیا ہے نماز مومن
محرمانہ وہ رکوع اور وہ سجدہ اس کا
پانچ وقتوں کی نمازوں میں نہیں آ سکتا
ایک تکبیر کا وہ سوز یگانہ اس کا

**

اس کی قرأت ہے دوگیتی کے لئے دعوت حق
ابدی زندگی کا راز دو رکعت میں ہے
عصر بے سوز کے ماروں کو نہیں آگاہی
اس قیامت کی جو پوشیدہ اقامت میں ہے

(۵)

باخبر شیوۂ رزاقی سے افرنگ بھی ہے
ظلم لیکن ہے کسی پر تو کسی پر احسان
رزق شیطان کو اس ڈھنگ سے دیتا ہے وہ
کہ جسے دیکھ کے رہ جاتا ہے یزداں حیران

**

اس فسانے کو نہیں حاجتِ اطنابِ بیاں
آشکارا مرے اک حرف سے ہے راز نہاں
دے دی سوداگروں کے ہاتھ میں دنیا اپنی
لامکاں ہے ابھی ناواقفِ توقیرِ مکاں

**

وعدہ جنت کا ہے اصحاب طریقت کے لئے
اہل دل کے لئے، ارباب عزیمت کے لئے
مل ہی جائے گی مگر راہ خدا میں ان کو
فکر کیوں ہندی مسلماں کریں جنّت کے لئے

(۶)

شوق تقریر قلندر کو نہیں ہے لیکن
یہی دستور ہے قانون یہی عالم گیر
کچھ بھی اس کھیت سے حاصل نہیں ہوتا جس کی
آبیاری کو میسّر نہیں خون شبیرؓ